جمعۃ المبارک

فضائل و آداب، مسائل و احکام

تالیف و پیشکش

الشیخ ابو عدنان محمد منیر قمر حفظہ اللہ

ترجمان سپریم کورٹ، الخبر

و داعیہ متعاون، مراکز دعوت و ارشاد

الدمام، الخبر، الظہران

(سعودی عرب)

ترتیب و تدوین

آنسہ شکیلہ قمر صاحبہ

نشر و توزیع

مکتبۃ کتاب و سنّت

ریحان چیمہ، تحصیل ڈسکہ، سیالکوٹ (پاکستان)

نام کتاب	**جمعة المبارک** فضائل وآداب مسائل واحکام
تألیف وپیشکش	الشیخ ابوعدنان محمد منیر قمر حفظہ اللہ
ترتیب وتدوین	شکیلہ قمر صاحبہ
ناشر وطابع	غلام مصطفیٰ فاروق (خطیب ڈسکہ)
طبع اوّل	دسمبر 2002ء
کمپوزنگ	آنسہ نبیلہ قمر و آنسہ نادیہ قمر

پاکستان میں ملنے کے پتے

- مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار لاہور
- مدینہ کتاب گھر، اردو بازار گوجرانوالہ
- والی کتاب گھر، اردو بازار گوجرانوالہ
- احمد بک کارپوریشن، راولپنڈی
- مکتبہ اسلامیہ، فیصل آباد
- مکتبہ علمیہ، کراچی
- جامعہ شمس الہدیٰ، ڈسکہ

سٹاکسٹ

المکتبہ السّلفیہ

شیش محل روڈ لاہور فون نمبر: 7237184

ہندوستان میں ملنے کے پتہ

- توحید پبلی کیشنز، ایس۔ آر۔ کے گارڈن بنگلور فون نمبر: 6650618
- چار مینار بک سٹور چار مینار روڈ شیواجینگر بنگلور نمبر 1

رابطہ — **غلام مصطفیٰ فاروق مدیر**

مکتبہ کتاب وسنت، ریحان چیمہ تحصیل ڈسکہ، سیالکوٹ (پاکستان)

بسم الله الرحمن الرحيم

عرض مؤلف

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْکَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ .

اَمَّا بَعْدُ :

قارئین کرام !

السلام علیکم و رحمة الله و برکاته

متحدہ عرب امارات میں قیام کے دوران اللہ کی توفیق وعنایت سے ریڈیو امّ القیوین کی اردو سروس سے طویل عرصے تک روزانہ دینی پروگرام پیش کرنے کی سعادت حاصل رہی ۔دین و دنیا کے مستقل عنوان کے تحت یہ پروگرام مسلسل بارہ سال (۳۱دسمبر ۲۰۰۰ء) تک نشر ہوتا رہا ۔وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ.

اِسی پروگرام میں ''جمعۃ المبارک کے فضائل وآداب اور مسائل و احکام'' پر قدرے تفصیل سے گفتگو کا موقع ملا، جسے اب ہماری لختِ جگر شکیلہ قمر سَلَّمَهَا اللّٰهُ وَوَفَّقَهَا لِکُلِّ خَيْرٍ وَ تَقَبَّلَ مِنْهَا نے مرتّب ومدوّن کرکے ہمارے عزیز قارئین کیلئے باعثِ استفادہ بنادیا ہے ۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ ہماری اِس کاوش کو شرفِ قبول سے نوازے،

اسے ہماری دنیاوآخرت کیلئے ''حَسَــــنَة'' بنائے ،اور ہمارے تمام معاونین کو جزائے خیرعطافرمائے ۔ آمین

و السلام علیکم و رحمة الله و برکاته .

ابو حسّان محمد منیر قمر نواب الدین

ترجمان سپریم کورٹ ، الخبر

الرمز البریدی ۳۱۹۵۲

و داعیہ متعاون ، مراکز دعوت و ارشاد

الدمّام ، الخبر ، الظہران

(سعودی عرب)

الخبر ، المحکمۃ الکبریٰ

٤/جمادیٰ الاولیٰ ۱٤۲۳ھ .

۱٤/جولائی ۲۰۰۲ء .

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

جمعۃ المبارک

ابتدائی تاریخ جمعہ

یومِ جمعہ کوعہدِ جاہلیّت میں[یوم العروبۃ] کہاجا تا تھا،اِسی طرح پورے ہفتے کے ساتوں دنوں کے نام ہی آج سے مختلف تھے۔آج ہفتہ کے دنوں کی جوترتیب یوم الجمعۃ،یوم السبت، یوم الأحد،یوم الاثنین،یوم الثلاثاء، اوریوم الخمیس ہے، عہدِ جاہلیّت میں یہ ترتیب یوں تھی:یوم العروبۃ،شبار،اوّل،أھون،جِبار،دبار، اور مؤنس اوراہلِ لغت وتاریخ میں اس بات پراختلاف ہے کہ جمعہ کوکب؟کس نے؟اور کیوں یہ نام دیا؟۔ فرّاء کے نزدیک کعب بن لؤی نے یہ نام رکھااورعلاّمہ ابنِ حزم نے کہاہے کہ جمعہ اسلامی نام ہے،عہدِ جاہلیت میں یہ نام پایاہی نہیں جاتا تھا (1)

الأمالي میں ثعلب کے بقول،قصیّ نے یومِ جمعہ کانام رکھاتھا،کیونکہ وہ لوگوں کو اس دن جمع کیاکرتا تھا،اور یہ بھی کہاگیا ہے کہ اس دن چونکہ لوگوں کانماز کیلئے اجتماع ہوتاہے،اس لئے یہ نام رکھاگیا۔جبکہ زبیر نے کتاب النّسب میں لکھاہے کہ کعب بن لؤی اس دن لوگوں کوجمع کیاکرتا تھااورانھیں حرم شریف کی تعظیم کاحکم،یہیں سے ایک نبی کے مبعوث ہونے کی بشارت اوردیگر وعظ ونصیحت کیاکرتا تھا۔

لہٰذااس دن کانام ہی جمعہ رکھ دیاگیااور جمعہ کی وجہ تسمیّہ اس کاجامع اکمل الخلائق ہونا بھی ایک ضعیف سند سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، جبکہ حضرت سلمان فارسی ﷺ سے مروی حدیث مسند أحمد ا ور ابنِ خذیمۃ میں ہےاور ابن

1) المحلّی لابن حزم ۴۵/۵/۳،حافظ ابنِ حجر نے اسے محلِ نظرقرار دیاہے ۔

أبي حاتم نے بھی نقل کی ہے جسکی مرفوعاً تو سند کمزور یا حسن ہے مگر موقوفاً قوی ہے کہ اس دن کا نام جمعہ اس لئے رکھا گیا تھا :

(يَوْمُ الْجُمُعَةِ بِهِ جُمِعَ أَبُوكَ أَوْ أَبُوكُمْ.)

''اسی دن حضرت آدمؑ کی تخلیق کے اجزاء جمع کئے گئے تھے ''

فتح الباري میں حافظ ابنِ حجر نے اسی قول کو اصحّ الاقوال قرار دیا ہے۔(2)

اِسی بات کی تائید صحیح احادیث سے ہوتی ہے جن کا ذکر فضائلِ جمعہ کے ضمن میں آرہا ہے (3)

آغازِ جمعہ

خطبہ و نمازِ جمعہ کا باقاعدہ آغاز کب ہوا؟ اس سلسلہ میں أبو داؤد ،ابنِ ماجة ، مسند أحمد، ابنِ حبّان اور بیهقي میں ایک حدیث ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ جب بھی جمعہ کی آذان سنتے تو حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کیلئے رحمت کی دعاء کرتے ، انکے بیٹے عبدالرحمٰن نے سبب پوچھا تو بتایا:

(لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ جَمَّعَ بِنَا) .

''کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے ہمیں جمعہ پڑھایا تھا''

اس حدیث میں اس مقام کا نام حرّہ بنو بیاضہ کا ذکر بھی ہے [جو کہ مدینہ منورہ سے ایک میل باہر ایک گاؤں تھا].(4)

عبدالرحمٰن نے اپنے والد گرامی سے پوچھا :

(كَمْ كُنْتُمْ يَوْمَئِذٍ؟ .) ''ان دنوں آپ لوگ کتنی تعداد میں تھے؟''

2)فتح الباری ۳۵۳/۲ وصحیح ابنِ خزیمة ۱۱۸/۳ .

3)نیز دیکھیئے :فتح الباری ۳۵۳/۲، الفتح الربّانی ۲/۶-۳، سیرت ابنِ ہشام ۵۸/۲ .

4)عون المعبود و نيل الأوطار .

انھوں نے کہا کہ ہم چالیس آدمی تھے،اور ابنِ ماجة میں یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ جمعہ پڑھنے کا یہ واقعہ نبی ﷺ کے مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لانے سے پہلے کا ہے(5)

مصنّف عبد الرزّاق میں صحیح سند کے ساتھ امام ابنِ سیرین رحمہٗ اللہ سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے۔اور دار قطني و طبراني میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کو فرضیّتِ جمعہ کی وحی تو مکہ مکرمہ میں ہی کر دی گئی تھی مگر وہاں کفّار و مشرکین کے دباؤ کی وجہ سے آپ ﷺ اس کا اہتمام نہ کر سکے تھے اور جب آپ ﷺ کے بعض صحابہ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر کے چلے گئے تو آپ ﷺ نے انھیں پیغام بھیجا کہ وہ جمعہ کا اہتمام کریں تو انھوں نے جمعہ پڑھا جبکہ ان کی تعداد اتفاق سے چالیس تھی .(6)

دار قطني نے حسن سند کے ساتھ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ہجرتِ نبوی سے پہلے جمعے کا یہ اہتمام باقاعدہ آپ ﷺ کے حکم سے ہوا تھا.(7)

صحيح بخاري و أبو داؤد میں حضرت عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے :

(اِنَّ أَوَّلَ جُـمُـعَةٍ جُـمِّـعَتْ بَعْدَ جُمُعَةٍ فِيْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ،فِي مَسْجِدِ عَبْدِالقَيْسِ بِجَوَاثیٰ مِنَ الْبَحْرَيْنِ) (8).

''نبی اکرم ﷺ کی مسجد میں اقامتِ شعائرِ جمعہ کے بعد سب سے پہلے جس

5) نيل الأوطار ٢٣٠/٣/٢،أبو داؤد ٣٩٩/٣_٤٠٠،
الارواء ٦٧/٣ ،حافظ ابنِ حجر اور شیخ البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے.
6) فتح البارى ٥٦/٢، نيل الأوطار ٢٣١/٣/٢.
7) التلخيص للحافظ و منه الألبانى فى الارواء ٦٨/٣ .
8) بخارى ٣٧٩/٢_٨٦/٨، أبو داؤد ٣٩٧/٣_٣٩٨،نيل الأوطار ٢٣٣/٣/٢.

مسجد میں جمعہ ہوا، وہ بحرین میں جواثی کے بنوعبدالقیس کی مسجد ہے'' .

حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ وکیع کی روایت میں جواثیٰ کے بعد[قَرْيَةٌ مِنْ قُرَى الْبَحْرَيْنِ]اور دوسری روایت میں[قَرْيَةٌ مِنْ قُرَى عَبْدِ الْقَيْسِ]کے الفاظ ہیں.(9)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجدِ نبوی کے بعد جس مسجد میں سب سے پہلے جمعہ شروع ہوا وہ بحرین کے ایک گاؤں یا بنوعبدالقیس کے دیہات میں سے ایک گاؤں کی مسجد میں تھا۔اور امام بخاری رحمہُ اللہ نے اس حدیث پر جو باب قائم کیا ہے، وہ یوں ہے :

(بَابُ الْجُمُعَةِ فِي الْقُرَىٰ وَ الْمُدُنِ) .

''دیہات اور شہروں میں ادائیگیٔ جمعہ کا بیان''.

جواثیٰ کے گاؤں ہونے کی صراحت صحيح بخاري ، كتاب المغازي اور أبو داؤد والی حدیث کے الفاظ میں ہی موجود ہے .(10)

اس حدیث میں اس بات کی طرف واضح اشارہ موجود ہے کہ [اہلِ حجاز کے بعد]سب سے پہلے بحرین اور اس کے بھی ایک قبیلہ بنوعبدالقیس کے لوگوں کا گاؤں ایمان لانے میں دنیا والوں سے سبقت لے گیا اور نورِ اسلام سے منور رہا .(11)

یہ تو جمعہ کی بالکل ابتدائی تاریخ ہے اور سابقہ آخری حدیث میں چھوٹے چھوٹے دیہات میں بھی ادائیگیٔ جمعہ کا واضح ثبوت موجود ہے، البتہ اس مسئلہ میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں، انکی کچھ ضروری تفصیل ہم آگے چل کر ذکر کریں گے، إِنْ شَـآءَ اللهُ

---

9) فتح الباری ۳۸۰/۲ .

10) بخاری ۸٦/۸،أبو داؤد۳۹۸/۳ .

11)فتح الباري ۳۸۱/۲و فی أواخر كتاب الإيمان .

نمازِ جمعہ

یہ اُن نمازوں میں سے ہے جو صرف اجتماعی طور پر ہی ادا کی جاتی ہے، یہ اپنی مخصوص نوعیّت اور امتیازی شان کی وجہ سے اس امّت کا گویا شعار ہے۔ اور نمازِ پنجگانہ کو جماعت سے ادا کرنے کے جو مصالح اور منافع ہیں وہ سب کے سب وسیع تر پیمانے پر اس ہفتہ وار نمازِ جمعہ سے بھی حاصل ہوتے ہیں، بلکہ کچھ مزید حکمتیں اور مصلحتیں ایسی بھی ہیں جو اس اجتماعی نمازِ جمعہ ہی سے وابستہ ہیں، مثلاً روزانہ پانچ وقت کی جماعت میں ایک محدود حلقہ ہی ہوتا ہے یعنی صرف ایک محلّہ ہی کے مسلمان جمع ہوسکتے ہیں، اس لئے ہر ہفتہ میں ایک دن ایسا بھی رکھ دیا گیا جس میں پورے شہر اور مختلف محلّوں کے مسلمان بڑی جامع مساجد میں جمع ہوجایا کریں اور ایسے اجتماع کیلئے ظہر ہی کا وقت زیادہ موزوں ہوسکتا تھا، لہذا وہی رکھا گیا اور دو فرض رکعتوں سے قبل خطبہ لازمی کردیا گیا تاکہ یہ اجتماع تعلیمی و تربیّتی لحاظ سے اور بھی مفید و مؤثّر بن جائے۔

اس تعلیمی و اصلاحی اجتماع کیلئے یومِ جمعہ اس لئے مقرر کیا گیا کہ ہفتہ کے سات دنوں میں سے یہی سب سے زیادہ باعظمت و بابرکت ہے، اور جس طرح ہر رات کے آخری پہر میں اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت اپنے بندوں کی طرف زیادہ متوجہ ہوتی ہے اور جس طرح سال کی راتوں میں سے ایک رات، لیلۃ القدر خاص الخاص درجہ تک رحمتوں اور برکتوں والی ہے، اُسی طرح ہفتہ کے سات دنوں میں سے یومِ جمعہ، اللہ کے خاص الطاف وعنایات کا دن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسی دن میں اللہ تعالی کی طرف سے بڑے بڑے اور اہم واقعات رونما ہوئے، اور ہونے والے ہیں، چنانچہ صحیح مسلم،أبو داؤد، ترمذي،نسائي اور بیهقي میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے :

(خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فِيهِ خُلِقَ آدَمُ وَ

فِيْـهِ اُدْخِـلَ الْـجَـنَّةَ و فِيْهِ اُخْرِجَ مِنْهَا وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ). (12)

''سب سے اچھا دن جس میں سورج طلوع ہوا، وہ جمعہ کا دن ہے، اِسی روز آدمؑ کی پیدائش وتخلیق ہوئی، اِسی روز وہ جنّت میں داخل کئے گئے اور اِسی دن ہی اس سے نکالے گئے اور قیامت بھی جمعہ ہی کے دن آئے گی''.

سنن ابنِ ماجة و مسند أحمد میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

(سَيِّدُالْأَيَّامِ يَوْمُ الْـجُمُعَةِوَأَعْظَمُهَاعِنْدَاللّٰهِ،وَ أَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالیٰ مِنْ يَوْمِ الْفِطْرِ وَ يَوْمِ الْأَضْحیٰ)

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنوں کا سردار دنِ یومِ جمعہ ہے اور یہ سب سے زیادہ عظمت والا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیدُ الفطر اور عیدُ الاضحیٰ سے بھی زیادہ عظمت والا ہے ''.

آگے فرمایا:

''اسمیں پانچ خاص باتیں ہیں، اسی میں اللہ نے آدمؑ کو پیدا کیا، اِسی دن زمین پر اتارا، اِسی دن انھیں فوت کیا، اِسی میں ایک ایسی گھڑی ہے جسمیں کوئی بندہ اللہ تعالیٰ سے جو کچھ مانگے وہ اُسے دیتا ہے بشرطیکہ وہ کسی حرام چیز کا مطالبہ و سوال نہ کرے اور اسی دن میں قیامت آئے گی، اور اللہ کا کوئی مقرّب فرشتہ ،آسمان، زمین، ہوائیں، پہاڑ اور سمندر ایسا نہیں کہ وہ جمعہ کے دن سے ڈرتا نہ ہو''۔[کہ کہیں یہی آنے والا جمعہ روزِ قیامت نہ ہو] (13)

جبکہ أبو داؤد، ترمذی، نسائی، مؤطأ امام مالك، مسند أحمد، ابن خزیمة،

---

12) مشکوٰۃ ۳/ ۲۷۵، نیل الأوطار ۲/۳/ ۲۴۰.

13) حافظ العراقی، علّامة البوصیری اور شیخ الألبانی نے اسے حسن قرار دیا، الفتح الربّانی ۶/ ۲-۴، نیل الأوطار ۲/۳/ ۲۴۰، مشکوٰۃ ۱/ ۴۳۰.

ابن حبّان، مستدرك حاكم اور بيهقي میں ایک طویل حدیث ہے جس میں ہے کہ:

''ہر جاندار جمعہ کے دن قیامت کے انتظار میں ڈرتا رہتا ہے، سوائے جنّوں اور انسانوں کے''.(14)

ترمذي شريف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انھوں نے [سورۃ مائدہ کی تیسری] آیت: ﴿اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا..﴾ پڑھی، اس وقت ان کے پاس ایک یہودی بیٹھا ہوا تھا، اُس نے کہا:

''اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اُس دن عید منایا کرتے جس دن نازل ہوتی''

تو حضرت ابنِ عبّاس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

''یہ آیت اُس دن نازل ہوئی جس دن ہماری دو عیدیں اکٹھی تھیں۔ یعنی [حجۃ الوداع کے موقع پر] یومِ عرفہ اور وہ بھی جمعہ کے دن''.(15)

ترمذي اور مسند أحمد میں ایک متکلّم فیہ اور ضعیف سند والی لیکن بعض دیگر شواہد سے تقویت حاصل کر لینے والی ایک حدیث میں تو یہاں تک ہے:

(مَامِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوْلَيْلَةَ الْجُمُعَةِ اِلَّا وَقَاهُ اللّٰهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ)(16)

''جو مسلمان جمعہ کے دن [یا اُس سے پہلے والی] جمعہ کی رات کو فوت ہو، اُسے اللہ تعالیٰ فتنۂ قبر سے بچالیتا ہے''.

ایک مبارک گھڑی

صحيح بخاري و مسلم سمیت تقریباً تمام ہی معروف کتبِ حدیث میں

---

14) مشکوٰۃ ۱/۴۲۸۔۴۲۹، الفتح الربّانی ۶/۵۔۷، شرح السنّہ ۴/۳۰۶۔۳۰۸، نیل الأوطار ۲/۳/۲۴۵۔۲۴۶.

15) مشکوٰۃ ۱/۴۳۲.

16) مشکوٰۃ ۳/۲۸۳، الفتح الربّانی ۶/۸.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے یوم جمعہ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

(اِنَّ فِي الْجُمُعَةِ لَسَاعَةٌ لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي يَسْأَلُ اللّٰهَ فِيْهَا خَيْراً اِلَّا أَعْطَاهُ اِيَّاهُ)(17) .

''جمعہ کے دن ایک گھڑی ایسی بھی ہے کہ اس میں جو مسلمان نماز کے دوران اللہ سے کوئی بھی سوال کرے، اللہ تعالیٰ اُسے وہی دے دیتا ہے''.

بخاري و مسلم میں یہ بھی مذکور ہے کہ اُس گھڑی کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ وہ بہت تھوڑا سا وقت ہے .

جمعہ کے دن والی مبارک گھڑی کی تعیین

روزِ جمعہ کی وہ مبارک گھڑی جس میں بندۂ مسلم اپنے رب سے جو کچھ مانگے وہ اُسے عطا کرتا ہے، اس گھڑی کے بارے میں متعدد اقوال ہیں، اور اُس کی تعیین میں اقوال کے متعدد ہونے کا سبب دراصل یہ ہے کہ مختلف احادیث میں اُس کے بارے میں مختلف اوقات کا ذکر آیا ہے۔ مثلاً صحیح مسلم، أبو داؤد اور بیھقي میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے اُس گھڑی کے بارے میں مرفوعاً مروی ہے :

(هِيَ مَا بَيْنَ أَنْ يَّجْلِسَ الْاِمَامُ اِلَىٰ أَنْ تُقْضَىٰ الصَّلٰوةُ .) (18)

''وہ گھڑی خطیب کے منبر پر بیٹھنے سے لیکر نماز مکمل ہونے تک ہے''

یہ حدیث اگرچہ صحیح مسلم میں مرفوعاً آئی ہے، لیکن بعض محدّثینِ کرام کے نزدیک اس میں انقطاع و اضطراب پایا جاتا ہے، اور دارقطنی نے اس حدیث کے مرفوع ہونے کی بجائے اس کے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ پر موقوف ہونے کو ہی صحیح قرار دیا

17) مشکوٰۃ ۳/۲۷۶، نیل الاوطار ۲/۳/۲۴۰، شرح السنۃ ۴/۲۰۳-۲۱۲.

18) مشکوٰۃ ۳/۲۷۷.

ہے،لیکن امام نووی نے اِسکا ردّ کیا ہے .(19)

اس گھڑی کی تعیین کے سلسلہ میں دوسری حدیث أبو داؤد،ترمذي،نسائي،مسند أحمد،موطأامام مالك،صحیح ابن خزیمة،ابن حبّان،مستدرك حاكم، **اور** سنن بیهقي میں ہے،جس میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

(هِيَ آخِرُ سَاعَةٍ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ) . ''وہ جمعہ کی آخری گھڑی ہے''.

اُن سے یہ بات سن کر حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا :وہ یومِ جمعہ کی آخری گھڑی کیسے ہوسکتی ہے؟ جبکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ جومسلمان اُس گھڑی میں نماز پڑھ رہا ہو... [اُسے جو مانگے ملتا ہے ،اس سے حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کا اشارہ اُس حدیث کی طرف بھی ہے کہ عصر کے بعد تو کوئی نماز جائز ہی نہیں پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ گھڑی یومِ جمعہ کی اخری ساعت ہو؟]اس کا جواب دیتے ہوئے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا نبی اکرم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ جوشخص اگلی نماز کے انتظار میں بیٹھا ہوا ہوتو وہ نماز پڑھتا ہوا ہی شمار کیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ نماز نہ پڑھ لے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :میں نے کہا: ہاں[ایسے ہی فرمایا ہے] تو انھوں نے کہا :اس نماز سے یہی مراد ہے . (20)

اس موضوع کی تیسری حدیث مسند أحمدو مستدرك حاكم اور مسند بزّار میں ہے کہ نبی ﷺ نے اُس گھڑی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

---

19) اس بحث کی تفصیلات شرح مسلم نووی ، نیل الأوطار ۲/۳/۲۴۴_۲۴۵، تحقیق شرح السنّة بغوی ۴/۲۱۰، المرعاة شرح المشکوٰة ۳/۲۷۶، فتح الباری ۲/۴۲۲_۴۲۱ اور دیگر شروح حدیث میں دیکھی جاسکتی ہیں .

20) مشکوٰة ۱/۴۲۸_۴۲۹، الفتح الرباني ۶/۵_۷،شرح السنة ۴/۳۰۶_۳۰۸، نیل الأوطار ۲/۳/۲۴۵_۲۴۶

(وَهِيَ بَعْدَ العَصْرِ) . (21) ''اور وہ گھڑی عصر کے بعد ہے ''.

جبکہ ترمذي کی ایک متکلّم فیہ لیکن دیگر شواہد والی روایت میں ہے :

(اِلْتَمِسُوْا السَّاعَةَ الَّتِي تُرْجَىٰ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ بَعْدَالْعَصْرِ اِلَىٰ غَيْبُوْبَةِ الشَّمْسِ)(22)

''وہ گھڑی جس میں قبولیّتِ دعاء کی اُمید ہے، اُسے جمعہ کے دن نمازِ عصر کے بعد سے غروبِ آفتاب تک تلاش کرو ''.

اِسی سلسلہ میں پانچویں روایت سنن سعید بن منصور میں ہے، جس کی سند کو حافظ ابنِ حجر نے صحیح قرار دیا ہے، اس میں حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے چند حضرات ایک جگہ جمع ہوئے اور جمعہ کے روز کی قبولیّتِ دعا والی گھڑی کا ذکر کیا، پھر وہ اس طرح ایک دوسرے سے علیحدہ ہوئے کہ ان میں اس چیز پر اتّفاق تھا کہ وہ گھڑی یومِ جمعہ کی آخری ساعت ہے .(23)

ان سب اور بعض دیگر احادیث وآثار کی بناء پر اہلِ علم کے مابین اِس گھڑی کی تعیین میں اختلاف ہے،"فتح الباري شرح صحيح بخاري میں حافظ ابنِ حجر رحمہٗ اللہ نے صحابہ وتابعین اور اہلِ علم وبصیرت کے تینتالیس (٤٣) سے زیادہ اقوال نقل کئے ہیں اور پھر اُن سب پر الگ الگ تبصرہ وتنقید کے بعد جمع وتطبیق کیلئے لکھا ہے کہ سب سے زیادہ صحیح احادیث حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ والی اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ والی ہیں اور امام طبری رحمہٗ اللہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ سب

---

21) نیل الاوطار ۲/۳/۲۴۶، امام شوکانی نے امام حاکم کا اسے صحیح کہنا اور حافظ ابنِ حجر کا اسے حسن کہنا نقل کیا ہے، الفتح الرباني ٦/١٣، شیخ احمد البنا نے علاّمہ عراقی وہیثمی کا اسے صحیح کہنا نقل کیا ہے .

22) مشکوٰۃ ۱/۴۲۹، المرعاۃ ۳/۲۷۹ .

23) فتح الباری ۲/۴۲۱، نیل الأوطار ۲/۳/۲۴۶ .

سے زیادہ صحیح حدیث تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ والی ہی ہے، جبکہ سب سے زیادہ مشہور قول حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ والا ہے۔

اور ان دونوں میں سے زیادہ صحیح کون سا قول ہے؟ خطیب کے منبر پر چڑھ کر بیٹھنے سے نماز ختم ہونے تک والا یا عصر کے بعد والا؟

اِس سلسلہ میں امام مسلم ،بیہقی ،ابن العربی اور کثیر علماء نے منبر پر بیٹھنے والے قول کو راجح قرار دیا ہے اور امام قرطبی تو یہاں تک کہہ گئے ہیں کہ اختلافی مقام کے فیصلہ کیلئے حدیثِ مسلم نصّ ہے اور دوسری کسی بھی بات کی طرف توجہ دینے کی ضرورت نہیں۔ اور امام نووی نے بھی منبر پر بیٹھنے والی حدیث کو صحیح مسلم میں ہونے کی وجہ سے شرح مسلم میں اور روضة الطالبین میں زیادہ قرینِ صواب قرار دیا ہے، اور ان کے علاوہ باقی ائمہ وفقہاء نے عصر کے بعد والے قول کو راجح کہا ہے، امام ترمذی نے امام احمد سے نقل کیا ہے کہ عصر کے بعد والی احادیث زیادہ ہیں، ابنِ عبدالبرّ نے اس مسئلہ میں اسے ہی اثبت (زیادہ صحیح) قرار دیا ہے، امام شافعی اور اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی قول ہے۔

زاد المعاد میں علاّمہ ابنُ القیّم نے کہا ہے کہ وہ مستجاب الدعاء گھڑی انہی دو وقتوں میں منحصر ہے، لہٰذا دونوں طرح کی احادیث میں کوئی تعارض نہیں، ممکن ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ وہ اور دوسری مرتبہ یہ وقت بتایا ہو، علاّمہ ابنِ عبدالبرّ اور امام احمد کا بھی اسی طرف میلان ہے اور جمع بین الاحادیث کے اعتبار سے بقول ابنِ حجر رحمہُ اللہ یہی بات زیادہ اولیٰ ہے، اور شارح بخاری ابنُ المنیر کے بقول، اس گھڑی کو اور لیلۃ القدر کو مبہم رکھنے کا مقصد درود شریف اور دعاء کی اکثریّت ہے، اور اگر تعیین ہوجاتی تو لوگ اس خاص وقت کے علاوہ باقی میں کوشش ہی چھوڑ دیتے ،لہٰذا فرماتے

ہیں کہ اس گھڑی کی تعیین میں کوشاں شخص پر تعجب ہے .(24)

اسلامیانِ برّصغیر کے محسنِ کبیر حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۂ اللہ نے بھی اپنی کتاب حجة الله البالغة میں ان دونوں وقتوں کا ہی ذکر کیا ہے،اور پھر ان دونوں کو بھی غیر حتمی قرار دیتے ہوئے انکی توجیہات ذکر کی ہیں .(25)

فضیلت ووظیفۂ جمعہ

علاّمہ ابنُ القیّم رحمۂ اللہ نے زاد المعاد میں یوم الجمعہ کی تینتیس (۳۳) خصوصیّات ذکر کی ہیں.(26)

یومِ جمعہ کی یہی فضیلت کیا کم ہے کہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے خاص اسی نام کی ایک پوری سورت نازل فرمائی ہے جو کہ اٹھائیسویں پارے میں ہے[سورة الجمعة] اور اِس دن نماز و خطبۂ جمعہ کے علاوہ ایک خاص وظیفہ'' بکثرت درود شریف پڑھنا'' ہے۔اور اِس کا حکم خود نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے،چنانچہ أبو داؤد،نسائي، ابنِ ماجة،مسند أحمد، صحيح ابنِ خذيمة، ابنِ حبّان،مستدرك حاكم اور بيهقي میں حدیث:

(أَفْضَلُ أَيَّامِكُمْ يَوْمُ الْجُمُعَةِ) کے دوران ارشادِ نبوی ﷺ ہے :

(فَأَكْثِرُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فِيهِ...الخ) .(27)

---

24) فتح الباری ۲/۴۱۶_۴۲۲نیل الأوطار ۲/۳/۲۴۱_۲۴۴،
شرح السنّة ۴/۲۰۱_۲۱۲،زاد المعاد ۱/۳۸۸_۳۹۶.

25) معارف الحدیث ۳/۳۸۱.

26) جنھیں مذکورہ مقام پر دیکھا جا سکتا ہے،جو کہ بتحقیق الا رناؤوط،جلد اول کے اکاون (۵۱) صفحات پر مشتمل ہیں.
زاد المعاد۱/۳۷۵_۴۲۵،اوران کا خلاصہ فتح الباری ۲/۳۵۳ میں موجود ہے.

27) مشکوٰة ۳/۱۲۸۰، سے امام حاکم،علاّمہ ذہبی،امام نووی اور شیخ البانی صحیح قرار دیا ہے،دیکھیے مشکوٰة بتحقیق الألبانی ۱/۴۳۰ 28)مشکوٰة ۱/۴۳۱،اسکی سند منقطع ہے لیکن اسکی شاهد موجود ہے.

''جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو''.

ایسے ہی ابنِ ماجة میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے :

(اَكْثِرُوا الصَّلوٰةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ).(28)

''جمعہ کے روز مجھ پر بکثرت درود شریف پڑھا کرو''

تارکینِ جمعہ کے لئے وعید

یہ بات بھی عام فہم ہے کہ جب کسی کام کی فضیلت وثواب بہت زیادہ ہو،تو اس کے ترک کرنے پر وعید وسزا بھی سخت ترین ہوتی ہے،یہی معاملہ نمازِ جمعہ کا بھی ہے،اس کے تارکین کو نبی اکرم ﷺ نے سخت وعید سنائی ہے،چنانچہ صحیح مسلم،نسائي،مسند أحمد اور بیهقي میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے برسرِ منبر ارشادفرمایا:

(لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ أَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ثُمَّ لَيَكُوْنَنَّ مِنَ الْغَافِلِيْنَ). (29)

''لوگوں کو جمعہ کی نماز ترک کرنے سے باز آجانا چاہیئے،ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگادے گا اور پھر وہ ضرور غافلوں میں سے ہوجائیں گے''.

جس طرح نمازِ باجماعت کے تارکین کے بارے میں وعید ہے،اُسی طرح ہی صحیح مسلم ، مسند أحمد،بیهقي اور مستدرك حاكم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے تارکینِ جمعہ کے بارے میں ارشادفرمایا :

(لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ رَجُلًا يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ ثُمَّ أُحَرِّقُ عَلٰى رِجَالٍ يَتَخَلَّفُوْنَ مِنَ الْجُمُعَةِ بُيُوْتَهُمْ).(30)

---

28) مشکوٰة ۱/۴۳۱،اسکی سند منقطع ہے لیکن اسکی شاهد موجود ہے .

29) مشکوٰة ۳/۲۸۵-۲۸۶،نيل الأوطار ۲/۳/۲۲۱،الفتح الربّاني ۶/۲۱ .

30) مشکوٰة ۳/۲۹۰،نيل الأوطار ۲/۳/۲۲۱،الفتح الربّاني ۶/۲۲ .

''میں نے ارادہ کیا کہ کسی آدمی کو لوگوں کی جماعت کرانے کا حکم دوں، پھر خود اُن لوگوں سمیت ان کے گھروں کو جلادوں جو جمعہ سے پیچھے رہتے ہیں''.

جبکہ أبو داؤد، ترمذي، نسائي ابنِ ماجة، ابنِ خذیمة، ابنِ حبّان، مسند أحمد، مستدرك حاكم، دارمي اور مسند بزّار میں ارشادِ نبوی ہے :

(مَنْ تَـرَکَ الْـجُمُعَةَ ثَلاثَ مَرَّاتٍ تَهَاوُناً بِهَا، طَبَعَ اللّٰهُ عَلیٰ قَلْبِه.) .(31)

''جس نے تین جمعے [مسلسل بلاعذر(أحمد ودیلمي)] ترک کر دیئے اللہ تعالیٰ اُس کے دل پر مُہر لگا دیتا ہے ''.

طبراني کبیر میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ جس نے جمعہ کی آذان سنی مگر وہ نہ آیا پھر [اگلے] جمعہ کی آذان سنی مگر نہ آیا اور مسلسل تین جمعے ایسے ہی کیا :

(طُبِعَ عَلیٰ قَلْبِه فَجُعِلَ قَلْبُ مُنَافِقٍ) .(32)

''اُسکے دل پر مُہر لگادی جاتی ہے، اور اُسکے دل کو مُنافق کا دل بنادیا جاتا ہے''

بعض روایات میں ترکِ جمعہ کا کفّارہ ایک دینار اور تنگدستی کی شکل میں نصف دینار صدقہ کرنا مذکور ہے۔ ایک روایت میں دینار کی بجائے درہم ہے۔ اور نصف صاع یا ایک صاع گندم بھی آئی ہے۔ مگر یہ روایات صحت وضعف کے درمیان مشکوک ہیں بلکہ محدّثین نے تو واضح طور پر انھیں ضعیف قرار دیا ہے۔ (33)

31) شرح السنّة ۲۱۳/۴، نیل الأوطار ۲۲۱/۳/۲، مشکوٰة ۳۴/۱۔۴۳۳، الفتح الربّانی ۲۲/۶.

32) نیل الأوطار ۲۲۲/۳/۲، امام شوکانی نے امام عراقی کا اسکی سند کو جید کہنا نقل کیا ہے.

33) تحقیق المشکوٰة ۴۳۴/۱، المرعاة ۲۸۷/۳، نیل الأوطار ۲۲۲/۳/۲، شرح سنّة ۴/ ۱۷۔۲۱۶، الفتح الربّانی ۲۴/۶۔۲۵

فرضیّتِ جمعہ

نمازِ جمعہ کے بارے میں کتاب رَحْمَةُ الْأُمَّةِ فِي اِخْتِلَافِ الْأَئِمَّةِ کے مطابق تمام علمائے امت کا اتفاق ہے کہ جمعہ فرضِ عین ہے، اور فرضِ کفایہ کہنے والوں کے نظریہ کو غلط قرار دیا گیا ہے، علّامہ عراقی نے ائمہ اربعہ کے نزدیک نمازِ جمعہ کو فرضِ عین قرار دیا ہے، اور ابن المنذر نے اس پر اجماعِ امت نقل کیا ہے، اور امام ابن قدامہ نے المغني (۲/۲۹۵) میں بھی یہی کہا ہے.

جمعہ کی فرضیت پر سورۂ جمعہ، آیت: ۹ سے بھی استدلال کیا گیا ہے، جس میں ارشادِ الٰہی ہے :

﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوْا الْبَيْعَ ذَالِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ.﴾

''اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن تمہیں نمازِ جمعہ کے لئے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو ، اگر تم جانو تو یہی تمہارے لئے بہتر ہے ''

اس آیت میں [فَاسْعَوْا] امر کا صیغہ ہے جس سے فرضیتِ جمعہ کی دلیل لی گی ہے، کیونکہ امر عموماً وجوب کیلئے آتا ہے .(34)

کتاب اللہ کے علاوہ احادیثِ رسول ﷺ بھی جمعہ کی فرضیت پر شاہد ہیں، جیسا کہ صحيح بخاري و مسلم، نسائي، مسند أحمد اور بيهقي کی ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے.(35)

اس حدیث پر امام بخاری کی تبویب ہے: [بَابُ فَرْضِ الْجُمُعَةِ]، اور اس باب کے آغاز میں مذکورہ آیت ہی ذکر کی ہے. امام بخاری نے اپنی صحيح میں اور

34) نيل الأوطار ۳/۲۲۳، المرعاة ۳/۲۸۵، الفتح الربّانی ۶/۲۶_۲۷، فتح الباری ۲/۳۵۴_۳۵۶.

35) المشكوٰة ۳/۲۷۳_۲۷۵.

امام بغوی نے شـرح السـنة میں اس آیت کے کلمات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جمعہ کی اذان (جس کے بعد خطبہ شروع ہوجاتا ہے)،اُس کے بعد خرید و فروخت کرنا حرام ہے۔(کیونکہ اللہ تعالیٰ نے امر کے صیغے سے فرمایا ہے کہ خرید وفروخت چھوڑ دو) اور امام عطاء سے نقل کیا ہے کہ اس اذان کے بعد سب صنعت وحرفت بھی حرام ہوجاتی ہیں،اور جمہور کا یہی قول ہے.(36)

فرضیّتِ جمعہ سے مستثنیٰ لوگ اور ترکِ جمعہ کیلئے شرعی عُذر

نمازِ جمعہ کی فرضیّت کتاب وسنّت اور اجماعِ امّت کے رو سے ثابت ہے،لیکن بعض لوگ اِس سے مستثنیٰ ہیں،اور بعض حالتیں ایسی ہیں کہ اُن میں بھی جمعہ کی فرضیّت ساقط ہو جاتی ہے، ان سب امور کی یکے بعد دیگرے تفصیل کچھ یوں ہے کہ ایک حدیث میں غلام،عورت، بچے اور بیمار کو مستثنیٰ کیا گیا ہے،چنانچہ أبـــو داؤد، دارقطني،بيهقي اور مستدرك حاكم میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

(اَلْـجُـمُـعَةُ حَـقٌ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِيْ جَمَاعَةٍ اِلَّا عَلٰى أَرْبَعَةٍ:عَبْدٍ مَمْلُوكٍ أَوْ اِمْرَأَةٍ ، أَوْ صَبِيٍّ أَوْ مَرِيْضٍ)(37)

''نمازِ جمعہ ہر مسلمان پر باجماعت ادا کرنا حق وواجب ہے، سوائے چار شخصوں کے،اور وہ ہیں: غلام،عورت، بچہ،اور بیمار''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وجوبِ جمعہ کیلئے حریّت یعنی آزاد ہونا، مذکّر (نر) ہونا، بالغ ہونا اور جسمانی طور پر تندرست ہونا شرط ہے،لیکن اگر ایسا بیمار ہو کہ معمولی مشقّت سے وہ مسجد میں پہنچ سکتا ہو تو اُسے پہنچ جانا چاہیئے،اور علمائے احناف میں سے

36) بخاری و فتح الباری ۲/۳۹۰۔۳۹۱ ،شرح السنّة ۴/۲۱۷.

37) مشكوٰة ۳/۲۸۹ ،نيل الأوطار ۲/۳/۲۲۶، شرح السنّة ۴/۲۲۵.

امام ابنُ الہمام کے نزدیک ضعیف العمر بوڑھے کا حکم بھی یہی بیماروالا ہے،اور امام ابو حنیفہ رحمہٗ اللہ نے نابینا کو بھی بیمار کے حکم میں داخل کیا ہے،مگران کے اپنے دونوں شاگردانِ رشید امام ابو یوسف اور امام محمد نے اُن سے اس معاملے میں اختلاف کیا ہے،اور تندرست وتوانا اندھے پر جمعہ واجب قرار دیا ہے .(38)

حضرت عبداللہ بن امِ مکتوم رضی اللہ عنہ والی حدیث سے وجوب کی ہی تائید ہوتی ہے۔ اور جس کا دماغی توازن ٹھیک نہ ہو،اُسے بچے کے حکم میں شامل کیا گیا ہے .(39)

اس حدیث کی رو سے عورتوں پر بھی جمعہ فرض نہیں،ہاں!اگر وہ جمعہ میں شامل ہو جائیں تو وہ ان کی نمازِ ظہر سے کفایت کر جائے گا،پھر ظہر پڑھنے کی ضرورت نہیں رہتی ۔اور جمعہ میں شمولیّت پر جس اجر وثواب کا وعدہ کیا گیا ہے وہ بھی اس میں شامل ہو جائیں گی ،خلیجی ممالک میں تو کم ہی ایسی مساجد ہیں جہاں عورتوں کیلئے بھی جمعہ کا اہتمام کیا گیا ہو،البتہ جہاں اس کا اہتمام ہو جیسا کہ ہمارے ممالکِ پاک و ہند وغیرہ میں ہے،وہاں عورتیں بھی نمازِ جمعہ کے لئے مسجد میں جاسکتی ہیں تاکہ دینی مسائل کے بارے میں معلومات حاصل ہوں اور ایمان تازہ ہوتا رہے۔

اور جمعہ کیلئے جانے کی ان کے لئے وہی شرائط ہیں جو نمازِ باجماعت کیلئے جانے کی ہیں کہ سادہ لباس و باپردہ ہوں اور خوشبو وغیرہ نہ لگائی ہو،ہاں اگر کسی فتنہ کا سخت اندیشہ ہو تو پھر معروف فقہی مذاہبِ اربعہ میں عورتوں کا جمعہ کیلئے جانا ناپسندیدہ ہے .(40)

البتہ عہدِ نبوی ﷺ میں عورتیں آپ ﷺ کے ساتھ جمعہ میں حاضر ہوا کرتی تھیں .(41)

38)المرعاة ۲۸۹/۳.

39)المرعاة أیضاً و شرح السنّة ۲۲۶/۴ .

40)الفقه علی المذاهب الأربعة ۳۸۴/۱ . 41)فقه السنّة ۳۰۳/۱ .

جوشخص کسی خوف کی وجہ سے مسجد میں نہ آسکتا ہو وہ بھی فرضیت سے مستثنٰی ہے جیسا کہ أبو داؤد میں صحیح سند کے ساتھ مروی ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''جس نے آذان سنی مگر بلاوجہ و بلاعذر مسجد میں نہ پہنچا اسکی کوئی نماز نہیں' صحابہ کرام نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! عذر کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: خوف یا بیماری''.(42)

سید سابق نے اُس تنگدست مقروض کو بھی اُس شخص کے حکم میں شمار کیا ہے جسے اسقدر خطرہ ہو کہ قرض خواہ اسے پکڑ کر بند کر لے گا، اور اُس شخص کو بھی جو ظالم بادشاہ سے بھاگ کر چھپا ہوا ہو .(43)

مسافر پر بھی جمعہ فرض نہیں بلکہ اسے رعایت ہے کہ وہ نمازِ ظہر پڑھ لے، کیونکہ نبی ﷺ اور خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم جب سفر میں ہوتے تو جمعہ کی بجائے نمازِ ظہر پڑھتے تھے .(44)

البتہ بعض اہلِ علم نے کہا ہے کہ دورانِ سفر تو واجب نہیں، لیکن اگر وہ کہیں پہنچ کر اقامت اختیار کر لے تو پھر واجب ہے .(45)

امام بغوی شرح السنّة میں لکھتے ہیں کہ جمعہ کے دن طلوعِ فجر سے لیکر زوالِ آفتاب کے مابین اگر سفر پر نکل کھڑا ہو تو کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اگر سفر شروع کرنے سے پہلے ہی زوال کا وقت ہو جائے تو اسکا سفر پر نکلنا جائز نہیں، سوائے اس کے کہ جمعہ پڑھ کر نکلے، جبکہ احناف کے نزدیک جمعہ کا وقت گزرنے سے پہلے پہلے کبھی بھی نکل سکتا ہے .

جواز سے متعلق قولِ اوّل کے بارے میں ترمذي، مسند أحمد اور بیہقي کی اس

---

42) أبو داؤد ۲/۲۵٦ .

43) فقه السنّة ۱/۳۰۳ .

44) زاد المعاد ابنِ قیم .

45) نیل الأوطار ۲/۳/۲۲۷، الارواء ۳/٦۰ .

حدیث سے استدلال کیا گیا ہے جسمیں حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو نبی ﷺ کے، جمعہ کے دن ایک فوجی مہم پر بھیجنے کا ذکر ہے۔ جبکہ مسند شافعي اور شرح السنة میں ہے کہ حضرت عمرِ فاروقؓ نے اُس آدمی کو، جو سفر کیلئے تیار تھا مگر یومِ جمعہ ہونے کی وجہ سے نکل نہیں رہا تھا، اُسے فرمایا:

(أُخْرُجْ فَإِنَّ الْجُمُعَةَ لَا تَحْبِسُ عَنْ سَفَرٍ) .(46)

''نکل جاؤ، جمعہ کسی سفر سے نہیں روکتا''.

بارش کی وجہ سے جن لوگوں کو مسجد تک پہنچنے میں مشقّت ہو، انھیں بھی جمعہ سے رہ جانے کی گنجائش ہے اور اسکے دلائل بھی نماز کی جماعت سے رہ جانے والے اعذار جیسے ہی ہیں. (47)

یہاں یہ بات پیشِ نظر رہے کہ جن لوگوں کو جمعہ میں حاضر ہونے سے عذر کی بناء پر مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، ان پر سے نمازِ ظہر کی فرضیّت ہرگز ساقط نہیں ہوتی .

مذکورہ تمام اقسام کے لوگوں میں سے اگر کوئی شخص جمعہ پڑھ لے تو اُس سے نمازِ ظہر کی فرضیّت ساقط ہوجائے گی، لہٰذا جمعہ کے بعد [ظہر احتیاطی] پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں .(48)

معروف مصری محقق سیّد سابق اپنی شہرۂ آفاق کتاب فقه السنة (۱/۳۰۳ حاشیہ) میں لکھتے ہیں کہ:

''ظہر احتیاطی بالاتفاق ناجائز ہے، کیونکہ جمعہ ظہر کا بدل اور اس کا قائم مقام ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ہم پر شب وروز میں چھ نمازیں فرض نہیں کی ہیں، اور جو

46) مسند الشافعی ۱/۱۵۴، شرح السنّة ۴/۲۲۸، زاد المعاد ۱/۳۸۴ عن عمرو ابنِ عمر رضی اللہ عنہما.

47) فقه السنّة ۱/۳۰۳، بخاری و فتح الباری ۲/۳۸۴۔ جن کی مزید تفصیل ہماری کتاب ''نمازِ باجماعت'' میں دیکھی جاسکتی ہے ،يَسَّرَ اللّٰهُ طِبَاعَتَهُ .

48) شرح السنّة ۴/۲۲۶.

لوگ جمعہ کے بعد ظہر بھی پڑھنے کو جائز کہتے ہیں ان کے پاس عقل ونقل اور کتاب وسنّت کی کوئی دلیل نہیں، اور نہ ہی یہ آئمہ اربعہ یا دیگر کبار آئمہ میں سے کسی سے منقول ہے ۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جمعہ کے دن عورتوں سے فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم امام کے ساتھ نماز پڑھوتو دو ہی رکعتیں پڑھواور اگر الگ پڑھوتو پھر چار [یعنی نمازِ ظہر] پڑھو ''

.امام بغوی فرماتے ہیں کہ

''جس کے لئے جمعہ میں حاضر ہونا لازمی نہیں ،وہ اگر جمعہ کا وقت نکلنے سے پہلے ہی ظہر پڑھ لے تو اسکی نماز جائز ہے،اور جس پر جمعہ میں حاضر ہونا لازمی ہے وہ اگر تغافل وتساہل کرے اور نہ آئے تو اس کی نمازِ ظہر اُس وقت تک صحیح نہیں جب تک کہ جمعہ کا وقت نکل نہ جائے ''.(49)

مستحبات وآدابِ جمعہ

جمعہ کے دن نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی پر بکثرت درود شریف [اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ . . . .الخ] پڑھنے کے علاوہ بھی بعض امور ایسے ہیں جن کی بڑی فضیلت آئی ہے،مثلاً جمعہ کے دن نہانا،مسواک کرنا،خوشبو لگانا،عمدہ لباس پہننا،جلدی مسجد کی طرف چلے جانا،امام وخطیب کے قریب جا کر بیٹھنا،لیکن اس غرض کیلئے لوگوں کے کندھوں سے نہ پھلانگنا وغیرہ.

جمعہ کے دن غسل کرنا

صحیح بخاري،نسائي،مسند أحمد اور دارمي میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ جوشخص جمعہ کے دن غسل کرے اور اچھی طرح طہارت کرے اور تیل لگائے یا

49) شرح السنّة ۲۲۶/۴ .

کوئی بھی خوشبو استعمال کرے، پھر گھر سے مسجد کی طرف نکلے اور مسجد میں جا کر دو نمازیوں میں تفریق نہ کرے، پھر حسبِ توفیق نفل پڑھے،اور جب امام گفتگو یعنی خطبہ شروع کرے تو خاموشی سے سنے، اُسے اللہ تعالیٰ اس جمعہ اور دوسرے [پچھلے] جمعہ کے درمیانی تمام گناہ معاف کر دیتا ہے، مسلم و ابنِ ماجة میں یہ وضاحت بھی مذکور ہے کہ تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں، بشرطیکہ اس عرصہ میں اُس نے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ کیا ہو .(50)

بخاري و مسلم،أبو داؤد،مسند أحمد اور مستدرك حاکم میں[وَاسْتَنَّ. وَاسْتَاکَ.وَاَنْ يَّسْتَنَّ] کے الفاظ بھی ہیں، جنکا معنیٰ مسواک کرنا ہے . (51)

جمعہ کے دن غسل کی تو بہت ہی تاکید آئی ہے،جیسا کہ صحیح بخاري شریف میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے :

(غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِوَاجِبٌ عَلَىٰ كُلِّ مُحْتَلِمٍ وَاَنْ يَّسْتَنَّ وأَنْ يَمُسَّ طِيْبًاًاِنْ وَجَدَ)(52)

''جمعہ کے دن کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے اور یہ کہ وہ مسواک کرے اور یہ کہ اگر موجود ہو تو خوشبو بھی لگائے''

یہاں واجب تاکید کے معنوں میں ہے،ورنہ جمہور علمائے امّت کے نزدیک غسلِ جمعہ واجب نہیں بلکہ مسنون ہے، کیونکہ أبو داؤد،ترمذي اور نسائي میں

---

50)بخاری ۳۷۰/۲ ،المشکوٰۃ و المرعاۃ ۲۹۱/۳، نيل الأوطار ۲/۳/۳٦-۲۳۵،شرح السنّة ۲۲۹/۴ ،رياض الصالحين ص:۴۵۹ .

51)بخاری ۳٦۴/۲، شرح السنّة ۲۳۱/۴،الفتح الربّاني ۴۳/٦ .

52)حوالۂ سابقہ

ارشادِنبوی ﷺ ہے :

(مَـنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَبِهَا وَ نِعِمَتْ وَمَنِ اغْتَسَلَ ، فَالْغُسْلُ أَفْضَلُ) .(53)

’’اگرکسی نے جمعہ کے دن محض وضوء ہی کیا تو بھی کافی ہے اور اگر غسل کیا تو یہی افضل ہے ‘‘.

صحيح مسلم و بيهقي میں ارشادِنبوی ﷺ ہے:

’’جس نے غسل کیا اور جمعہ کیلئے آیا اور حسبِ توفیق نوافل پڑھے، پھر خاموشی سے خطبہ سنا، اور جب امام خطبہ سے فارغ ہوا تو اسکے ساتھ نماز پڑھی، اُسے اس جمعہ اور پچھلے جمعہ کے درمیان والے گناہ بخش دیئے گئے اور مزید تین دنوں کے گناہ بھی بخشے گئے‘‘

أبـو داؤد،مستـدرك حـاكم اور مسـنـد أحمد میں **حضرت ابوہریرہ** رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

’’تین دن زیادہ اس لئے کہ ہفتہ کے سات دنوں میں تین جمع کئے جائیں تو دس ہوتے ہیں اور اللہ کا قانون ہے کہ وہ ہر نیکی کا بدلہ دس گنا دیتا ہے‘‘

جیسا کہ ارشادِالٰہی ہے:

﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ أَمْثَالِهَا﴾[الانعام: ١٦٠] .(54)

---

52) حوالۂ سابقہ .

53) أبو داؤد ۱۸/۲ شیخ ارناؤوط نے شواھد کی بناء پر اسے حسن کہا ہے، تحقیق رياض الصالحين ص:۴٦٠.

54) شرح السنّة ۲۳۰/۴_۲۳۱، مشكوٰة ۲۹۲/۳، الفتح الربّاني ٥٣/٦ .

ممنوعات ومکروہاتِ جمعہ

صحیح مسلم،أبو داؤد،ترمذي،ابنِ ماجة،مسند أحمد اور بیهقی میں ایک ارشادِ نبوی ﷺ میں یہ بھی مذکور ہے:

(......وَمَنْ مَسَّ الْحَصَا فَقَدْ لَغَا).(55)

''اور[دورانِ خطبہ] جس نے کنکریوں کو چھوا،اُس نے لغو کام کیا''.

یہاں کنکریوں کو چھونا اسلیئے ہے کہ اُس زمانے میں مساجد کا سب سے زیادہ عمدہ فرش کنکریوں کا ہی ہوتا تھا۔اور آج صفّوں کے تنکے توڑنا اور اُن سے کھیلنا، قالینوں کے نقش ونگار پر انگلیاں چلانا وغیرہ تمام امور اِسی میں داخل ہیں جو نمازی کو خطبہ سے مشغول کردیں اور اسکی توجہ ہٹادیں،اور[فَقَدْ لَغَا]کے اہلِ علم نے متعدد مفہوم ذکر کیۓ ہیں،چنانچہ شارح بخاری حافظ ابنِ حجر عسقلانی مختصر الترغيب والترهيب میں لکھتے ہیں:

فَقَدْ لَغَا أَيْ خَابَ مِنَ الْأَجْرِ .وہ شخص جمعہ کے ثواب سے محروم ہوگیا. لَغَا بِمَعْنَىٰ أَخْطَأَ.کہ اس نے خطا کی. لَغَا أَيْ صَارَتْ جُمُعَتُهُ ظُهْرًا. (56).اسے جمعہ کا نہیں صرف ظہر کا ثواب ملے گا.

اس آخری معنیٰ کی تائید أبو داؤد وابنِ خزيمة کی ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے۔جس میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے.

(مَنْ لَغَا وَ تَخَطَّىٰ رِقَابَ النَّاسِ كَانَتْ لَهُ ظُهْرًا).(57).

''جس نے لغو کام کیا اور لوگوں کی گردنیں پھلانگیں،اسے[جمعہ نہیں]صرف ظہر کا اجر ملے گا''.

---

55)مشکوٰۃ ۲۹۲/۳،الفتح الربّانی ۵۳/۶ . 56)مختصر الترغيب لابنِ حجر ص:۵۲.

57)أبو داؤد ۱۲/۲،امام ابنِ خذیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔دیکھیۓ مختصر الترغيب للحافظ ص:۵۵.

لغوی اعتبار سے لایعنی بات کولغو کہا جاتا ہے. صحيح بخاري،مسلم،سننِ أربعة،مؤطا امام مالك،مسند أحمد اور بيهقي میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

(إذَا قُلْتَ لِصَاحِبِکَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أنْصِتْ وَ الْإمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ) .(58)

''اگر تم نے بروزِ جمعہ [دورانِ خطبہ] اپنے ساتھی کو کہا: چُپ رہو، تو تم نے لغو کام کیا''

دورانِ خطبہ بات چیت کرنے کی ممانعت تو اس قدر سخت ہے کہ نبی ﷺ نے ایسے شخص کو گدھے سے تشبیہ دی ہے، چنانچہ مسند أحمد،ابن أبي شيبة،مسند بزّاراور طبراني كبير میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

(مَنْ تَكَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَ الْإمَامُ يَخْطُبُ فَهُوَ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَاراً ، وَالَّذِيْ يَقُوْلُ لَهُ أنْصِتْ، لَيْسَ لَهُ جُمُعَةٌ) .(59).

''جمعہ کے دن خطبہ کے دوران جس نے کوئی بات کی ،اس کی مثال اس گدھے کی ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں، اور جس نے اسے [زبان سے] یہ کہا: چُپ رہو، تو اس کا بھی جمعہ [مکمل] نہیں''.

حافظ ابنِ حجر کا اس حدیث کو فتح الباري میں لانا اُن کے نزدیک اس کا حسن درجہ کی ہونا ہے جیسا کہ مقدمة فتح الباري میں انھوں نے وضاحت کی ہے، لیکن امام منذری وشیخ البانی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے. **(60)**

البتہ اگر کہیں دو شخص دورانِ خطبہ مصروفِ گفتگو ہو جائیں تو انھیں بولے بغیر محض اشارے سے منع کیا جاسکتا ہے، کیونکہ اصل ممانعت صرف بولنے کی ہے.

---

58)بخاری ۴۱۴/۲ ،مختصر الترغیب ص:۵۵،مشکوٰۃ ۲۹۵/۳ .

59)مشکوٰۃ ۳۰۳/۳ـ۳۰۴ ،فتح الباری ۴۱۴/۲ . 60)مشکوٰۃ ، حاشیہ شیخ البانی ۴۴۰/۱ .

مباحاتِ جمعہ

خاموشی کا یہ حکم امام کے خطبہ شروع کرنے سے لیکر اختتامِ خطبہ تک ہے.(61).

دورانِ خطبہ بات نہ کرنے والی احادیث سے شک ہوسکتا ہے کہ باہر سے آنے والے نئے نمازی کا سلام کہنا، اسکا جواب دینا، چھینک مارنے والے کا اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہنا سننے والوں کا یَرْحَمُكَ اللّٰه کہہ کر جواب دینا، اور پھر اسکا یَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ کہنا اور نبی ﷺ کا کوئی ذاتی یا صفاتی نام سن کر ﷺ کہنا وغیرہ سبھی امور شائد منع ہونگے، حالانکہ ایسا نہیں بلکہ امام شافعی، احمد اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ نے رخصت دی ہے اور امام شافعی کتاب الأم میں لکھتے ہیں کہ سلام کا جواب دینا فرض ہے اور چھینک مارنے والے کا جواب دینا سنت ہے. امام ابن الھمام فرماتے ہیں کہ چھینکنے والے کو چاہیئے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہے مگر دل میں [اور اسی طرح اسکا جواب دیا جائے] اور باقاعدہ بول کر یَرْحَمُكَ اللّٰه کہنا انکے نزدیک مکروہ ہے اور علاّمہ عینی نے امام ابوحنیفہ رحمہٗ اللہ سے نقل کیا ہے کہ سلام کا جواب دے مگر اپنے دل میں، اور انکے شاگرد امام ابویوسف مطلق جواب دینے کے قائل ہیں اور المدوّنۃ میں امام مالک رحمہٗ اللہ سے منقول ہے کہ چھینک مارنے والا اپنے دل میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہہ لے اور علاّمہ عبیداللہ رحمانی مبارکپوری شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ کسی سائل کا جواب دینے یا کسی غلط کام کے ازالہ کیلئے سر، ہاتھ یا آنکھ سے اشارہ کردینے میں کوئی کراہت نہیں.

جلد مسجد چلے جانے والے کی فضیلت

جمعہ کے دن جلد از جلد مسجد میں چلے جانے کی فضیلت کا اندازہ صحیح بخاری

---

61) المرعاة ۲۹۶/۳، شرح السنّة ۲۶۰/۴، فتح البارى ۴۱۲/۲، نيل الأوطار ۲۷۴/۳/۲، الفتح الربّانى ۱۰۳/۶-۱۰۴، فقه السنّة ۳۱۴/۱.

ومسلم، أبو داؤد،ترمذي،نسائي،مسندأحمد،مؤطا مالك اور بيهقى میں مذکور اس حدیث سے لگایا جاسکتا ہے جس میں نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

''جمعہ کے دن اللہ کے فرشتے مسجد کے دروازوں پر کھڑے ہوجاتے ہیں اور نمازیوں میں سے باری باری آنے والوں کو لکھتے ہیں ،سب سے پہلے داخل ہونے والے [کے ثواب] کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے اُونٹ کی قربانی دی،دوسرے کی ایسے جیسے کسی نے گائے کی قربانی دی، پھر مینڈھا پھر مرغی کا صدقہ ،اور پھرانڈا صدقہ کرنے کے برابر، اُسکے بعد جب امام آجاتا ہے [یعنی خطبہ شروع ہوجاتا ہے]تو فرشتے اپنے دفتر لپیٹ کر خطبہ سننا شروع کردیتے ہیں''.(62)

ابن ماجة کے سوا باقی كتب أصول ستّة اور موطأ مالك کی دوسری حدیث میں ثواب کی اس ترتیب کو اوّل ،دوم تا پنجم نمازی سے نہیں ، بلکہ پہلی گھڑی میں دوسری گھڑی میں حتی کہ پانچویں گھڑی میں داخل ہونے والے نمازیوں کے ساتھ خاص کیا گیا ہے.(63)

اُس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ثواب کے یہ پانچ مراتب صرف پانچ نمازیوں کو نہیں بلکہ مذکورہ پانچ گھڑیوں میں داخل ہونے والے بیشمار نمازیوں کو درجہ بدرجہ حاصل ہونگے ، **وَذَالِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ** .

سنن أربعة،مسند أحمد،ذارمي،طبراني أوسط،مستدرك حاكم اور بيهقى میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''جس نے جمعہ کے دن اپنی اہلیہ کو غسل کرایا اور خود بھی غسل کیا،اور اوّل وقت

---

62)بخاری ۴۰۷/۲، مشکوٰۃ ۲۹۳/۳ .

63) بخاری ۳۶۶/۲ ،نیل الأوطار ۲۳۷/۳/۲، شرح السنّة ۲۳۴/۴ .

میں مسجد کی طرف چل کر گیا اور سوار نہ ہوا، امام کے قریب جا کر بیٹھا اور بغور خطبہ سنا اور کسی لغو کام کا ارتکاب نہ کیا، اُسے ہر قدم کے عوض ایک سال کے قیام و صیام کا اجر ملے گا''.(64)

عمدہ لباس پہننا اور خوشبو لگانا

جبکہ أبو داؤد،مسند أحمد،مستدرك حاكم اور بیهقي میں عمدہ لباس پہن کر جمعہ پڑھنے کی تاکید آئی ہے، چنانچہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''جس نے جمعہ کے دن غسل کیا اور عمدہ ترین لباس پہنا ، اگر دستیاب ہو تو خوشبو لگائی، پھر جمعہ کیلئے آیا اور لوگوں کی گردنیں نہیں پھلانگیں، پھر جو اللہ نے توفیق دی، نفلی نماز پڑھی، اور خطبہ شروع ہونے پر خاموش ہو گیا یہاں تک کہ وہ نمازِ جمعہ سے فارغ ہو گیا، تو اس کا یہ جمعہ، پچھلے جمعہ کے مابین والے تمام گناہوں کا کفارہ ہو گیا''.(65)

عمدہ لباس کی وضاحت أبو داؤد،ابنِ ماجة،موطأمالك اور بیهقي میں مذکور اُسی ارشادِ نبوی ﷺ سے ہو جاتی ہے جس میں آپ ﷺ فرماتے ہیں:

''تم میں سے کسی پر کوئی حرج نہیں کہ حسبِ استطاعت وہ جمعہ پڑھنے کیلئے دو کپڑے خاص کر لے، جو اس کے کام کاج والے کپڑوں سے الگ ہوں''.(66)

طبراني صغیر و أوسط میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک ضعیف روایت سے پتہ چلتا ہے کہ نبی ﷺ کا ایک خاص جوڑا تھا جو آپ ﷺ جمعہ کے دن پہنا کرتے تھے، اور جب آپ ﷺ نماز پڑھ کر واپس آتے تو اسے تہہ کر کے رکھ دیا جاتا اور پھر وہ اگلے جمعہ ہی کو نکلتا تھا (67)

---

64) مشکوٰۃ ۳/ ۲۹۷-۲۹۸،شرح السنۃ ۴/ ۲۳۶، شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے ،مشکوٰۃ ۱/ ۴۳۸ .

65) مشکوٰۃ ۳/ ۲۹۷، امام حاکم ،علامہ ذہبی اور شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے، دیکھئے تحقیق مشکوٰۃ.

66) المرعاۃ ۳/ ۲۹۸-۲۹۹، شیخ البانی نے اسے تحقیق مشکوٰۃ ۱/ ۴۳۸ میں صحیح قرار دیا ہے

67) جمع الفوائد مع أعذب الموارد ۱/ ۲۶۰ ،معارف الحدیث ۳/ ۳۸۸ .

الـفقة علیٰ المذاهب الأربعة کے مطابق (بحوالہ فقہ السنّہ اردو) حنفیہ، شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک کپڑوں کا سفید ہونا افضل ہے، اور کئی صحیح احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے.(68)

جمعہ کے دن کی طہارت و پاکیز گی میں یہ چیز بھی شامل کی جاسکتی ہے کہ اپنے ناخن تراشے جائیں اور زائد بال صاف کئے جائیں اور اس بات کی تائید مسند بزّار اور طبراني أوسط کی ایک ضعیف روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں:

(کَانَ یُقَلِّمُ أَظَافِرَهُ وَ یَقُصُّ شَارِبَهُ یَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ أَنْ یَّخْرُجَ اِلیٰ الصَّلٰوۃِ).(69)

''آپ ﷺ جمعہ کی نماز کیلئے گھر سے نکلنے سے پہلے اپنے ناخن اور مونچھیں کاٹا کرتے تھے''.

گردنیں نہ پھلانگنا

سابقہ احادیث میں نمازیوں کی گردنیں نہ پھلانگنے کا جو بار بار ذکر آیا ہے تو اس سلسلہ میں مسجد تک پہنچنے والے نمازیوں کو چاہیئے کہ پہلے آگے والی صفوں پر جاکر بیٹھیں اور جوں جوں پہلی صفیں پُر ہوتی جائیں پیچھے والی صفیں پوری کرتے آئیں، اور بلا وجہ اپنے آگے جگہ چھوڑ کر مسجد کے وسط میں یا اُس سے بھی پیچھے نہ بیٹھ جائیں، تاکہ اُن کے آگے وافر جگہ دیکھ کر بعد میں آنے والوں کو مجبوراً ان کی گردنیں پھلانگنے کا ناگوار رویہ نہ اپنانا پڑے.

68) دیکھیئے: المرعاۃ ۳/۲۹۷.

69) یہ حضرت ابوھریرہ ؓ سے مرفوعاً مروی ہے، معارف الحدیث ۳/۳۸۷.

جمعہ اور دیگر ایّام میں آدابِ مجلس

خطبہ ونمازِ جمعہ کے دوران مسجد میں بیٹھنے کے چند آداب احادیثِ نبویہ ﷺ میں وارد ہوئے ہیں جن کالحاظ رکھنا چاہیئے ۔

کندھوں کو نہ پھلانگنا

ان آداب میں سے پہلی بات تو وہی ہے کہ لوگوں کے کندھوں کو پھلانگ کر آگے گزر کر نہ جا بیٹھیں جس کی قدرے تفصیل بھی ذکر کی جاچکی ہے ۔

کسی کو اٹھا کر اُسکی جگہ پر نہ بیٹھنا

کسی بیٹھے ہوئے نمازی کو اٹھا کر اس کی جگہ پر نہ بیٹھا جائے ، کیونکہ صحیح بخاري ومسلم اور مسند أحمد و بيهقي میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے :

(نَهىٰ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يُّقِيْمَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَقْعَدِهٖ وَيَجْلِسَ فِيْهِ).

''نبی اکرم ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی شخص دوسرے آدمی کو اس کی جگہ سے اٹھائے اور خود اس کی جگہ پر بیٹھ جائے''.

اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت نافع سے پوچھا گیا کہ کیا یہ حکم جمعہ کے بارے میں ہی ہے؟ تو انھوں نے فرمایا:

''جمعہ اور اس کے علاوہ ہر موقع کیلئے یہی حکم ہے''.(70)

اس حدیثِ نبوی کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس معاملہ میں اتنے محتاط تھے کہ صحیح مسلم اور مسند أحمد میں ان کے بارے میں مذکور ہے :

70) بخاری ۳۹۲/۱ ،مشکوٰۃ ۳۰۲/۳.

(كَانَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا قَامَ لَهُ رَجُلٌ مِنْ مَجْلِسِهِ لَمْ يَجْلِسْ فِيْهِ). (71)

''حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کی خاطر اگر کوئی شخص [اپنی مرضی سے بھی] اپنی جگہ سے اٹھ جاتا تو وہ اس کی جگہ پر نہیں بیٹھا کرتے تھے''.

اگر کبھی کسی موقع پر کسی نمازی کو کسی ضرورت کی بناء پر اپنی جگہ سے اٹھ کر کہیں تھوڑا جانا پڑے اور پھر وہ واپس بھی پہنچ جائے تو اپنی جگہ کا وہی مستحق ہے، کسی دوسرے کو اس کی جگہ پر نہیں بیٹھنا چاہیئے چنانچہ صحيح مسلم اور مسند أحمد میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

(اِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ رَجَعَ اِلَيْهِ فَهُوَ أَحَقُّ بِه). (72)

''جب تم میں سے کوئی شخص اپنی جگہ سے اٹھے، پھر اُسی جگہ لوٹ آئے تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے''

اِسی مفہوم کی ایک حدیث ترمذي شريف میں بھی ہے. (73)

بعض لوگ ایسے موقع پر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے وہاں رومال وغیرہ چھوڑ جاتے ہیں، جبکہ ایسا کرنے والے اور کوئی بھی چیز نہ چھوڑ کر جانے والے کا ایک ہی حکم ہے.

گوٹھ مار کر نہ بیٹھنا

بیٹھنے کے دوران اپنے گھٹنوں کو کھڑے کر کے ان کے گرد کپڑا لپیٹ کر یا بازؤوں کا حلقہ بنا کر بیٹھنے سے احتراز کرنا چاہیئے، خصوصاً گرمیوں میں اور خطبہء جمعہ کے دوران کیونکہ بیٹھنے کے اس انداز سے نیند کا غلبہ ہو جاتا ہے، اس طرح بیٹھنے سے احتراز کا مشورہ محض نیند کے خدشہ کی وجہ سے ہی دیا جا سکتا ہے، رہی أبو داؤد، ترمذي، ابن ماجة اور مسند أحمد کی بعض روایات جن میں اسکی ممانعت آئی ہے تو وہ روایات

71) نيل الأوطار ۲/۳/۲۴۹ 72) نيل الأوطار ايضاً . 73) حوالۂ سابقہ .

محدّثینِ کرام نے ضعیف قرار دی ہیں، بلکہ أبو داؤد میں ایک دوسری حدیث جو کہ مذکورہ روایات سے قدرے عمدہ سند سے مروی ہے، اس سے خطبہ کے دوران بعض صحابہ ﷺ کا اس طرح بیٹھنا ثابت ہوتا ہے، اور جن روایات میں ممانعت آئی ہے، ان کی متعدد اسناد ہونے کی بناء پر امام شوکانی فرماتے ہیں کہ ان میں کچھ قوّت آجاتی ہے اور شیخ البانی نے أبـــو داؤد وغیرہ کی ممانعت والی حدیث کو حسن قرار دیا ہے جس میں حضرت انس ﷺ سے مروی ہے:

(أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهىٰ عَنِ الْحَبْوَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ). (74)

''نبی ﷺ نے جمعہ کے دن دورانِ خطبہ گوٹھ مار کر بیٹھنے سے منع فرمایا''.

یہی وجہ ہے کہ مصنّف ابن أبي شيبة میں حضرت عطاء، مکحول اور حسن بصری رحمہم اللہ سے اس انداز کی کراہت منقول ہے اور یہی قول امام نووی کا بھی ہے .

أبو داؤد، ترمذي اور مسند أحمد کی حضرت معاذ بن انس الجہنی رضی اللہ عنہما والی اِس حدیث پر ریاض الصالحین میں امام نووی نے یوں تبویب کی ہے :

. ''جمعہ کے دن، امام کے خطبہ کے دوران، گوٹھ مار کر بیٹھنے کے مکروہ ہونے کا بیان، کیونکہ یہ نیند کا باعث بنتا ہے جس سے نتیـــجۃً خطبہ فوت ہوجاتا ہے یا پھر وضوء ٹوٹنے کا خدشہ ہوتا ہے''.(75)

لیکن کثیر صحابہ ﷺ اور تابعین و اہلِ علم رحمہم اللہ عدمِ کراہت کی طرف ہی گئے ہیں .(76)

---

74) صحيح أبي داؤد للألباني ۲۰۶/۱ . 75) رياض الصالحين ص: ۲۳۸ .

76) انکے اسماء گرامی نیل الأوطار ۲۵۱/۳/۲ ،تحفة الأحوذی ۴۶/۳ ، عون المعبود ۴۵۹/۳-۴۶۰ میں دیکھیئے ،اس موضوع کی تفصیل ہم نے ''آداب واحکامِ مسجد'' میں ذکر کردی ہے اور یہ کتاب الگ سے شائع کی جارہی ہے .

اونگھ آنے پر جگہ بدل لینا

اگر کبھی دورانِ خطبۂ جمعہ نیند غالب آنے لگے اور نمازی اونگھنے لگے تو اس کا علاج نبی اکرم ﷺ نے یہ تجویز فرمایا ہے کہ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر دوسری جگہ جا بیٹھے، اس اٹھنے بیٹھنے اور کچھ حرکت کرنے سے نیند غائب ہو جائے گی، چنانچہ أبو داؤد، ترمذي، مسند أحمد، صحیح ابنِ حبّان اور بیهقي میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے :

(اِذَا نَعِسَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ، فَلْيَتَحَوَّلْ مِنْ مَجْلِسِهٖ) .(77)

''جمعہ کے دن جب تم میں سے کوئی شخص اونگھنے لگے تو اُسے چاہیئے کہ اپنی جگہ بدل لے''.

یہ تمام آدابِ مجلس نہ صرف یہ کہ جمعہ کے دن سے خاص ہیں، بلکہ عام حالات میں مسجد کے اندر یا دیگر مقام پر انھیں جہاں بھی اپنایا جائے وہیں یہ باعثِ عزّت و برکت ہیں ۔

نظافت وسلیقہ

ان سب آدابِ مجلس اور اِن سے پہلے ذکر کئے گئے آداب و مستحباتِ جمعہ مثلاً غسل، صاف ستھرا لباس اور خوشبو لگانے کی ترغیب بلکہ تاکید سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام کتنا صفائی پسند اور سلیقہ آموز دین ہے، نبیٔ اسلام ﷺ اپنی ان مذکورہ تعلیمات کے ذریعے یہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کا یہ مقدّس ہفتہ واری اجتماعِ جمعہ، توجہ الیٰ اللہ اور ذکر و دعاء کی باطنی و روحانی برکات کے علاوہ ظاہری حیثیت سے بھی پاکیزہ و خوش منظر اور با رونق و پُر بہار ہو، اور مسلمانوں کے اس مجمع کو ملائکہ کے

---

77) أبو داؤد ۴۶۹/۳، نیل الأوطار ۲۵۰/۳/۲، مشکوٰۃ ۳۰۲/۳ شیخ البانی نے اسے مشکوٰۃ (۴۳۹/۱) میں حسن قرار دیا ہے جبکہ امام ترمذی سے شیخ ارناؤوط نے تحقیق شرح السنّة (۲۶۹/۴) میں اسکا صحیح ہونا نقل کیا ہے.

پاک وصاف مجمع کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مشابہت اور مناسبت ہو، نبی ﷺ نے ایک مرتبہ دیکھا کہ آپ ﷺ کا کوئی صحابی لاعلمی یا کسی وجہ سے اِن آداب کی خلاف ورزی کر رہا ہے تو دورانِ خطبہ ہی اُسے ٹوک دیا تاکہ دوسروں کیلئے مزید تاکید ہوجائے، چنانچہ أبو داؤد، نسائي اور مسند أحمد میں ہے کہ ایک آدمی جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آیا، جبکہ نبی ﷺ خطبہ ارشاد فرمارہے تھے تو آپ ﷺ نے اُسے [منبر پر سے ہی] حکم فرمایا:

(اِجْلِسْ فَقَدْ آذَيْتَ وَ آنَيْتَ) .(78)

''[جہاں ہو وہیں] بیٹھ جاؤ تم تاخیر سے آئے اور لوگوں کیلئے اذیّت کا باعث بن رہے ہو''.

دیہات میں جمعہ

اہلِ علم میں اس بات پر اختلاف ہے کہ کیا جمعہ دیہات میں بھی پڑھا جاسکتا ہے؟ یا اس کے لئے شہر کا ہونا ضروری ہے؟ اس سلسلہ میں دو معروف قول ہیں :

قولِ جواز اور اُسکے دلائل

☆ پہلا یہ کہ جمعہ شہروں کی طرح دیہات میں بھی جائز ہے اور اس کی ایک دلیل صحیح بخاري اور أبو داؤ دوالی وہی حدیث ہے جس میں مذکور ہے کہ بحرین کے ایک گاؤں جواثٰی میں مسجدِ نبوی ﷺ کے بعد سب سے پہلے جمعہ پڑھا گیا، اِس حدیث کے الفاظ میں ہی یہ وضاحت موجود ہے کہ وہ ایک گاؤں تھا، ابوالحسن لخمی نے جواثٰی کو شہر قرار دیا ہے جبکہ بقول شارح بخاری، جواثٰی کے بارے میں مذکورہ حدیث میں اسکا گاؤں ہونا مذکور ہے، اور یہی زیادہ صحیح بات ہے، البتہ اس بات کا

78) أبو داؤد ۴/۴۶۷، نيل الأوطار ۲/۳/۲۵۲، الفتح الربّاني ۶/۷۲ .

احتمال ہے کہ شروع میں وہ گاؤں ہو، جب اُس میں جمعہ پڑھے جانے کا ذکر آیا ہے اور بعد میں ترقی کر کے شہر بن گیا ہو، جس کا ذکر لخمی نے کیا ہے .(79)

اس مذکورہ صحیح حدیث سے دیہات میں جمعہ کے جواز کی دلیل یوں لی گئی ہے کہ صحابہ کرام ﷺ کی یہ عادت نہیں تھی کہ نزولِ وحی کے زمانہ میں وہ کوئی کام، جس کا تعلّق شرعی امور سے ہو، اُس میں اپنی مرضی کریں بلکہ ظاہر ہے کہ انھوں نے یہ کام نبی ﷺ کے حکم سے ہی کیا، اور اگر آپ ﷺ کے حکم سے نہ کیا گیا ہوتا اور ناجائز بھی ہوتا تو اُس معاملہ میں یقیناً وحی کا نزول ہو جاتا .(80)

☆ دیہات میں جمعہ کے جواز کی دوسری دلیل بھی صـحیـح بـخـاري شریف میں مذکور ہے جسمیں ابنِ شہاب نے نبی ﷺ کے ایک ارشاد کی بناء پر زریق بن حکیم کو اِقامتِ شعائرِ جمعہ کا حکم دیا تھا .(81)

☆ تیسری دلیل ابـنِ خـزیمة،مصنف ابن أبي شیبة، اور سـنن سعیدبن منصور میں ہے کہ حضرت عمرِ فاروق ﷺ نے اہلِ بحرین کو لکھا :

(جَمِّعُوا حَيْثُ مَا كُنتُمْ).(82)

’’تم جہاں کہیں بھی رہ رہے ہو، وہیں جمعہ پڑھو‘‘.

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق ﷺ کا یہ حکم شہروں اور دیہات سب کو شامل ہے اور امام ابنِ خزیمہ وعلاّمہ عینی نے اس اثرِ فاروقی کو صحیح اور امام بیہقی نے حسن قرار دیا ہے .

☆ چوتھی دلیل بیهقي میں ہے، لیث بن سعد فرماتے ہیں:

’’ہر شہر اور گاؤں جہاں جماعت ہو، انھیں جمعہ کا حکم دیا گیا، کیونکہ اہلِ شہر اور اس کے ساحلی علاقوں کے لوگ حضرت عمرِ فاروقؓ اور عثمانِ غنیؓ

---

79) فتح الباری ۳۸۱/۲ . 80) فتح الباری ۳۸۰/۲ .

81) بخاری و شرحه ۸۱/۲-۳۸۰ . 82) نیل الأوطار ۲۳۴/۳/۲، عون المعبود ۳۹۸/۳

کے عہدِ خلافت میں جمعہ پڑھا کرتے تھے، اور [شہر و ساحلی دیہات] دونوں جگہ پر ہی صحابہ کرامؓ موجود تھے''۔(83)

☆ پانچویں دلیل مصنّف عبد الرزاق میں صحیح سند سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما مکہ ومدینہ کے مابین زرعی علاقوں کے دیہات والوں کو جمعہ پڑھتے دیکھتے،لیکن ان پرکوئی عتاب وناراضگی کا اظہار نہ کرتے۔(84)

☆ اِن پانچ صحیح احادیث وآثار کی تائید اُس روایت سے بھی ہوتی ہے جو طبرانی ،دارقطنی، بیھقی اورابنِ عدی نے حضرت ام عبداللہ دوسیہ رضی اللہ عنھا سے مرفوعاً ذکر کی ہے،جس میں ہے کہ جمعہ ہر اُس گاؤں میں واجب ہے جس میں امامِ جمعہ موجود ہو،اگرچہ وہ لوگ چار کی تعداد میں ہی کیوں نہ ہوں اور دوسری روایت میں تین کی تعداد آئی ہے ۔(85)

یہ روایت ضعیف ہونے کی بناء پر بذاتِ خود تو قابلِ استدلال نہیں ،اسے تو محض مؤیِّد کے طور پر ذکر کیا ہے، ورنہ دلیل کیلئے از روئے صحّت بخاری شریف والی ایک حدیث ہی کافی ہے۔اور ابنِ اسحاق کے مطابق نبی اکرم ﷺ سفرِ ہجرت کے دوران قبا اور مدینہ منورہ کے درمیان قبیلۂ بنی سالم کی بستی میں پہنچے تو جمعہ کا وقت ہو گیا لہٰذا آپ ﷺ نے وہیں جمعہ پڑھا جو کہ نبی ﷺ کا اپنے قدومِ مبارک پر پہلا جمعہ تھا،اور مسجدِ جمعہ کے نام سے آج تک اس مقام پر ایک چھوٹی سی مسجد موجود ہے۔

قولِ عدمِ جواز کے بعض دلائل اوران کی استنادی حیثیّت

اس اختلافی مسئلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ دیہات میں جمعہ جائز نہیں ،اس کے

83) حوالہ جات سابقہ۔ 84) ایضاً

85) امام طبرانی وابنِ عدی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور حافظ ابنِ حجر نے التلخیص میں اسے منقطع کہا ہے بحوالہ نیل الاوطار ۲/۳/۲۳۱، عون المعبود ۳/۴۰۱،۴۰۲۔

لئے شہر کا ہونا ضروری ہے، یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے، اگر چہ احناف عملاً دیہات میں بھی جمعہ پڑھتے ہیں اور جمہور کے مطابق ہی ہر جگہ عمل ہورہا ہے، رہا ظہر احتیاطی کا مسئلہ تو اُس کی طرف مختصر اشارہ اور خود احناف کے بعض اقوال آگے آرہے ہیں .

جمہور محققینِ مذہب کے نزدیک شہر وہ ہے کہ جس کی بڑی مسجد میں وہ سب لوگ نہ سما سکیں جن پر جمعہ واجب ہو، اگر چہ فعلاً وہ مسجد میں نہ آئیں .(86)

اِس مسلک کی دلیل مصنف ابنِ أبي شيبة میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے :

(لَاجُمُعَةَ وَ لَا تَشْرِيْقَ اِلَّا فِيْ مِصْرٍ جَامِعٍ) . (87)

''جمعہ وتشریق صرف مصرِ جامع میں ہی ہوسکتے ہیں''

اس روایت کے مرفوع ہونے کو امام احمد نے ضعیف قرار دیا ہے، اور علاّمہ ابنِ حزم نے اسکے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا قول ہونے کو ہی صحیح کہا ہے .

ایک دوسری موقوف روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ جمعہ وتشریق اور عید الفطر و عید الاضحیٰ صرف مصرِ جامع یا شہر میں ہی ہوسکتی ہیں .(88)

پہلی روایت کی طرح ہی مصنف عبدالرزّاق میں بھی ایک موقوف روایت مذکور ہے .

اِن روایات میں سے ابن أبي شيبة والی روایت [جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا قول ہے]علاّمہ عینی نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، جبکہ امام بیہقی ،زیلعی اور ابنِ حجر جیسے محقّق محدّثین کا کہنا ہے کہ اس روایت کا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر موقوف [یعنی ان کا اپنا قول]ہونا تو صحیح ہے، لیکن یہ کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہو، یہ ثابت نہیں، اور شرح ہدایہ

86)الفقه علىٰ المذاهب الأربعة ۳۷۹/۱ .

87)نيل الأوطار ۲۳۳/۳/۲ .

88)عون المعبود ۴۰۵/۳ .

میں امام ابن الہمام نے اپنے مسلک کے مؤیّد ہونے کی بناء پر اِس قولِ علی ﷛ کی کفایت ذکر کی ہے، لیکن حضرت عمرِ فاروق، عثمان غنی، عبداللہ بن عمر، ابو ہریرہ، اور دیگر صحابہ ﷡ کے آثار اسکے مخالف ہیں اور جب صحابہ ﷡ کا کسی مسئلہ میں اختلافِ رائے ہوجائے تو پھر مرفوع حدیث کی طرف رجوع واجب ہوجاتا ہے، اور مرفوع احادیث سے دیہات میں جمعہ کا جواز ہی ثابت ہوتا ہے اور جمہور ائمہ کا یہی قول ہے کہ دیہات میں بھی جمعہ جائز ہے .(89)

یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ دیہات میں جمعہ کے جائز یا ناجائز ہونے کا یہ اختلاف محض نظری سا معلوم ہوتا ہے، کیونکہ عملاً تو عدمِ جواز کے قائلین خود بھی شہروں کے محلّہ محلّہ اور دیہات کے گاؤں گاؤں میں جمعہ پڑھتے ہی چلے آرہے ہیں، اور اتّباعِ کتاب وسنّت کا تقاضا بھی یہی ہے.

نمازِ جمعہ کیلئے نمازیوں کی تعداد

نمازِ جمعہ کے سلسلہ میں اس پر اہل علم کے مختلف اقوال ہیں کہ جمعہ کے انعقاد کیلئے کتنے نمازی ضروری ہیں؟

قولِ اوّل اور اُسکے دلائل

امام شافعی اور ایک روایت میں امام احمد رحمہما اللہ کہ نزدیک نمازیوں کی کم از کم تعداد چالیس ہونی چاہیئے اور یہی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے، اور ان کی دلیل حضرت کعب بن مالک ﷛ والی وہ حدیث ہے جس میں حضرت اسعد بن زرارہ ﷛ کے جمعہ پڑھانے اور اس وقت نمازیوں کی تعداد چالیس ہونے کا ذکر ہے اور ان کا کہنا ہے کہ اس سے کم لوگوں کو نبی ﷺ کا جمعہ پڑھانا ثابت نہیں .

89) فتح الباری ۲/۳۸۰، عون المعبود ۳/۴۰۶، نیل الأوطار ۲/۳/۲۳۴، شرح السنّة بغوی ۴/۲۱۹.

صحیح مسلم شریف میں خطبۂ جمعہ کے دوران منبر پر آپ ﷺ کا سورۂ ق پڑھنا جس حدیث میں آیا ہے،اس کی سند میں ایک راوی سعد بن زرارہ ہیں جن کے نام میں سعد اوراسعد کا اختلاف ہے،اور قاضی عیاض،امام نووی اورامام بخاری (في تاريخه) نے سعد کوترجیح دی ہے.(90)

اہلِ علم نے ان دونوں باتوں کا یہ جواب دیا ہے کہ چالیس آدمیوں کا جمعہ پڑھنا ایک اتفاق تھا، اور ایسے مخصوص اتفاقیہ واقعات سے عمومی مسئلہ پر استدلال نہیں کیا جاسکتا ،جیسا کہ علمائے اصول کا طے شدہ قاعدہ ہے، لہٰذا اُس واقعہ میں چالیس آدمیوں کا ہونا تومذکور ہے،مگراس میں ایسی کوئی دلیل نہیں کہ چالیس سے کم نمازیوں کا جمعہ پڑھنا صحیح نہیں،سورۂ جمعہ کی آخری آیت:﴿ وَ اِذَا رَأَوْا تِـجَارَةً أَوْ لَهْـوَاً انْـفَـضُّـوْا اِلَيْهَـا وَ تَرَكُوْكَ قَآئِمَاً ﴾ کے شانِ نزول کے بارے میں صحیح بخاري ومسلم،ترمذي،نسائي ،مسند أحمد اوردیگر کتبِ حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کے ساتھ صرف بارہ آدمی ہی رہ گئے تھے.(91).

لہٰذامعلوم ہوا کہ چالیس آدمی ہونا شرط نہیں ہے.

دیگراقوال ودلائل

اس سلسلہ میں دوسرا قول یہی ہے کہ کم از کم بارہ آدمی ہونے چاہئیں اور دلیل اسی مذکورہ بالا حدیث سے لی ہے،اور یہ مالکیہ کا مسلک ہے،جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہٗ اللہ کے نزدیک امام کے علاوہ صرف تین مقیم مردوں کا ہونا ہی صحّتِ جمعہ کیلئے کافی ہے، امام ابو یوسف ومحمد رحمہما اللہ کے نزدیک صرف دوآدمی اورامام نخعی وظاہریہ کے نزدیک امام کے ساتھ صرف ایک ہی آدمی کا ہونا کافی ہے۔ الغرض امام عسقلانی رحمہٗ اللہ نے

90)شرح مسلم للنووی ۳/۶/۱۶۱.

91)بخاری ۲/۳۲۱،الفتح الربانی ۶/۱۰۵۔۱۰۶، نیل الأوطار ۲/۳/۲۷۸.

شرح بخاری میں پندرہ مختلف اقوال نقل کئے ہیں جو اَسّی (۸۰) سے لیکر ا کیلے منفرد تک کے مابین ہیں اور ترجیح اس بات کو دی ہے کہ عدد کی تعیین وقید کے بغیر کثیر تعداد میں لوگ ہونے چاہییں .(92)

نیل الأوطار میں علاّمہ شوکانی نے امام نخعی وظاہریہ کے مسلک کو ترجیح دی ہے کہ امام اور کم از کم ایک آدمی سے جس طرح عام نمازوں کی جماعت ہو جاتی ہے اُسی طرح ہی جمعہ کی جماعت بھی ہو جاتی ہے، کیونکہ کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ (جمعہ کی جماعت عام نمازوں کی جماعت سے مختلف ہے اور نہ یہ کہ) نبی ﷺ نے فرمایا ہو کہ فلاں فلاں تعداد سے کم ہوں تو جمعہ کی جماعت نہیں ہوتی.(93)

مسجد یا میدان

کیا جمعہ کیلئے مسجد کا ہونا شرط ہے؟ یا کسی بھی مناسب جگہ میدان وغیرہ میں جمعہ پڑھا جاسکتا ہے؟ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ کثیر بلکہ احناف وشافعیہ سمیت تمام علمائے امت کے نزدیک جمعہ کیلئے مسجد کا ہونا شرط نہیں، البتہ بعض فقہاء رحمہم اللہ مسجد کو شرط قرار دیتے ہیں.(94)

حالانکہ طبقات کے مؤلف امام ابن سعد کی طرح ہی بعض دیگر سیرت نگاروں نے بھی ذکر کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ایک وادی کے دامن میں نمازِ جمعہ پڑھی۔ اور اگر اس واقعہ کو صحیح تسلیم نہ بھی کیا جائے تو مسجد کے شرط ہونے کی بھی تو کوئی دلیل نہیں ہے.(95)

---

92) فتح الباری ۴۲۳/۲ .

93) نیل الأوطار ۳/۲/ـ۲۳۲ـ۲۳۳، تفصیل کیلئے دیکھیئے: عون المعبود ۴۰۴/۳ـ۴۰۵ .

94) نیل الأوطار ۲۳۴/۳/۲، الفقه علىٰ المذاهب الأربعة ۳۷۸/۱ـ۳۸۴.

95) نیل الأوطار ۲۳۴/۳/۲، عون المعبود ۳۹۹/۳ .

جیلوں اورفوجی چھاؤنیوں میں جمعہ

آجکل مسلم وغیر مسلم ممالک کی جیلوں اور افواج کی چھاؤنیوں میں جو کہ عموماً شہر سے باہر ہوتی ہیں، بلکہ بعض ممالک میں تو چاروں طرف سے پانی میں گھرے ہوئے چھوٹے جزیروں میں بھی ہیں وہاں بھی جمعہ ہوتا ہے.

ایسے مقامات پر جمعہ ادا کرنے والے لوگ بھی مخصوص اور محدود ہوتے ہیں اور عام آدمیوں کو داخلے کی اجازت بھی نہیں ہوتی، یا وہ پہنچ ہی نہیں سکتے ،تو ایسے مقامات پر جمعہ کا کیا حکم ہے ؟

جیلوں میں جمعہ کا حکم

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ قرآنِ کریم کی سورۂ جمعہ،آیت:۹ میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓاْ إِذَا نُودِيَ لِلصَّلوٰةِ مِنۡ يَّوۡمِ الۡجُمُعَةِ فَاسۡعَوۡاْ إِلَىٰ ذِكۡرِ اللّٰهِ وَذَرُواْ الۡبَيۡعَ.﴾

’’اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نمازِ جمعہ کیلئے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف لپکو ، اورخرید وفروخت چھوڑ دو ‘‘

یہ آیت عام ہے کہ جہاں بھی ممکن ہو جمعہ کی نماز قائم کی جائے اور جب اذان کی آواز بلند ہوتو چند مستثنیٰ افراد کے سوا سب پر حاضری لازم ہے اور وہ مستثنیٰ افراد جن پر جمعہ واجب نہیں اگر وہ بھی جمعہ ادا کرلیں تو اِس پر امتِ اسلامیہ کا اجماع ہے کہ اُن سے نمازِ ظہر ساقط ہوجائے گی.(96)

احادیثِ شریفہ میں مذکور مستثنیٰ لوگوں کیلئے بھی جس طرح جمعہ جائز اور ظہر ساقط ہونے پر اجماع ہے ،تو یہی بات بعض کبار علماء نے اسیرانِ جیل یعنی قیدیوں کے

---

96) تفصیل کیلئے دیکھیئے: الفقه الإسلامی و أدلّته للدکتور وهبه الزحیلی ۲۶۵/۲.

بارے میں بھی کہی ہے اور لکھا ہے کہ غلام پر قیاس کرتے ہوئے جیل میں بند افراد پر بھی جمعہ واجب تو نہیں ہوگا، لیکن جس طرح غلام اپنے آقا کی اجازت سے جمعہ میں شریک ہوسکتا ہے، اُسی طرح اگر جیل کی انتظامیہ اجازت دے تو قیدی بھی جیل کے احاطے میں نمازِ جمعہ باجماعت ادا کر سکتے ہیں، بظاہر کتاب وسنّت سے اس میں کوئی رکاوٹ معلوم نہیں ہوتی۔(97)

چھوٹے چھوٹے جزیروں اور چھاؤنیوں میں جمعہ کا حکم

جیلوں کی طرح ہی پانی میں گھرے ہوئے چھوٹے چھوٹے جزیروں اور افواج کے مستقل ٹھکانوں یا چھاؤنیوں میں تو بالاولیٰ جمعہ جائز ہوگا۔

اب رہا معاملہ ''اذنِ عام'' کا کہ باہر سے آنے کیلئے نمازیوں کو کھلی اجازت ہو، ظاہر ہے کہ ایسے مقامات کیلئے یہ ممکن ہی نہیں ہوتی، اور قرآن وسنّت کی واضح نص سے یہ شرط ثابت بھی نہیں، بلکہ ہمارے فقہاءِ احناف نے از راہِ اجتہاد ''اِذنِ عام'' کی شرط عائد کی ہے، جبکہ صحیح بخاري، کتاب الاعتصام میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

(اِذا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَاِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ). (98)

''جب حاکم [مجتہد] اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرے اور صحیح فیصلہ کو پہنچ جائے تو اسے دو اجر ملیں گے، اور اگر اس نے اجتہاد سے فیصلہ کیا اور اس سے خطا ہوگئی تو بھی اسے ایک اجر ملے گا''

اس ارشادِ نبوی ﷺ سے واضح ہوتا ہے کہ اجتہاد کرنے والا عالم کبھی غلطی بھی کر جاتا ہے، لہٰذا اجتہادی آراء کو نص کا درجہ حاصل نہیں ہوتا، پھر یہ بھی ہے کہ باقی تینوں

(97) ماہنامہ ''صراطِ مستقیم'' برمنگھم برطانیہ، جلد ۱۱ شمارہ ۶ دسمبر ۸۷ ، مولانا عبدالغفار حسن سابق استاد اسلامی یونیورسٹی، مدینہ منورہ۔

(98) بخاری ۱۳/۳۱۸۔

ائمۂ کرام اور جمہورِ علماء وفقہاءِ اُمّت اور محدِّثینِ کرام کی طرف سے یہ شرط عائد نہیں کی گئی، اس شرط کے کتاب وسنّت سے ثابت نہ ہونے اور جمہور کے خلاف ہونے کی بناء پر خود علمائے احناف کا کہنا ہے کہ جہاں جیلوں میں نمازِ جمعہ ادا کی جارہی ہو، وہاں روک ٹوک کے بغیر موجودہ صورتِ حال کو برقرار رکھا جائے۔ اور ساتھ ہی انھیں ظہر احتیاطی کا مشورہ دے دیا جاتا ہے، جس کے ثابت نہ ہونے کی طرف ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں، اور علاّمہ ابنِ حزم تو قیدیوں پر جمعہ کے واجب ہونے کے قائل ہیں. (99)

لہٰذا معلوم ہوا کہ مطلق وجوب اور مطلق عدمِ جواز دونوں قول ہی انتہاء پسندی کا نتیجہ ہیں، اس سلسلہ میں انتہائی معتدل اور مناسب قول جمہور کا ہی ہے جنکی تحقیق کے مطابق ''اِذنِ عام'' صحتِ جمعہ کیلئے شرط نہیں ہے، لہٰذا قیدی ظہر کی بجائے جمعہ باجماعت ادا کر سکتے ہیں.

ظہر احتیاطی کا مشورہ کیوں؟

علماء احناف کی طرف سے جو ظہر احتیاطی کا مشورہ دیا جاتا ہے، اسکا مطلب یہ ہوا کہ اصل بطورِ واقعہ تو قیدی لوگ نماز ظہر ہی ادا کریں گے، جمعہ کے دو فرض ان کے لئے نفل ہوں گے، جمعہ کی دونوں اذانیں اور خطبہ بھی نفل ہوں گے، بلکہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ خطبہ سے پہلے کی دونوں اذانیں بے محل ہوں گی، اس کی نظیر شریعت میں نہیں ملتی، نہ عہد نبوی ﷺ میں نہ دورِ خلفاء وصحابہ ﷡ میں، اور یہ پیچیدہ صورتِ حال صرف اس لئے رونما ہوئی کہ بغیر کسی نصِ صریح کے نمازِ جمعہ کی صحت کے لئے [اِذنِ عام] کو شرط قرار دے دیا گیا ہے۔

اگر جمعہ قطعاً جائز ہی نہیں اور یہ معاملہ اجتہادی ہے، تو پھر جمعہ پڑھنے والوں کو

---

99) المحلّی ۳/۵/۴۹.

[ظہر احتیاطی] کا مشورہ کیسے دیا جا سکتا ہے؟ یاد رہے کہ [ظہر احتیاطی] کی یہ اصطلاح بھی متأخرین احناف کی رائے ہے، متقدّمین فقہاءِ احناف میں سے اس کا کوئی بھی قائل نہیں تھا، بلکہ وہ اسکے خلاف تھے، درّ مختار اور البحر الرائق کی عبارات اس پر شاہد ہیں، چنانچہ درّ مختار میں جمعہ کو ظہر کا بدل نہیں بلکہ مستقل فرض قرار دیا گیا ہے، اور ظہر احتیاطی کو محقّقینِ حنفیہ کی طرف سے خلافِ صواب قرار دیتے ہوئے [ظہر احتیاطی] نہ پڑھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اور البحر الرائق میں لکھا ہے کہ میں بارہا یہ فتویٰ دے چکا ہوں کہ ظہر احتیاطی درست نہیں ہے، کیونکہ اس سے لاعلم لوگوں کو جمعہ کے غیر واجب ہونے کا شک گزرے گا، اور اس سے یہ خرابی لازم آئے گی کہ وہ جمعہ کے فرض نہ ہونے کے شک میں سستی کا شکار ہونے لگیں گے، لہٰذا زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ جمعہ کے بعد ظہر احتیاطی ہرگز نہ پڑھی جائے.(100)

بحری جہاز وغیرہ میں جمعہ

جہاں تک بڑے بڑے بحری جہازوں میں سفر کرنے والوں کے جمعہ کا معاملہ ہے، تو اس سلسلہ میں ابوظہبی سے وزارتِ اوقاف وامور اسلامیہ کے ماہنامہ ترجمان ''منار الاسلام''میں ایک سوال وجواب آیا تھا، جس کا ترجمہ اِفادۂ عام کیلئے یہاں نقل کر رہے ہیں :

ایک سوال

ہم ایک بہت بڑے جہاز میں کام کرتے ہیں اور ہماری تعداد سو افراد سے زیادہ ہے، کیا ہمارے لئے جہاز میں جمعہ پڑھنا جائز ہے؟ یہاں یہ بھی ذہن میں رہے کہ ہم تقریباً چھ ماہ مسلسل سمندر میں رہتے ہیں. (سائل: سالم محمد عبدالعزیز، ابوظہبی)

---

(100) ملخص از الجمعة ومکانتها فی الدّین للعلامہ القاضی احمد بن حجر آل بوطامی، قطر.

فاضلانہ جواب

اس سوال کا جواب مصر کے ایک معروف عالم ڈاکٹر عبدالصبور شاہین [پروفیسر دارالعلوم کالج ،مصر] نے یہ دیا ہے: ''نمازِ جمعہ فرضِ عین ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے اس لیئے مشروع فرمایا تاکہ مسلمانوں کی جماعت اوران کی ہفتہ وارانہ عید کا منظر قائم ہوتا رہے، اور خطبۂ جمعہ کے ذریعے جو کہ ارکانِ جمعہ میں سے ایک ہے، انکی عقلی تربیّت و تجدید ہوتی رہے، یہ دو رکعتیں باقی دنوں کی نمازِ ظہر کی جگہ ہوتی ہیں.

جماعت کا مقام و معنیٰ اور مرتبہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی زندگی میں اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں حتیٰ کہ وہ بحری جہاز میں بھی نمازِ پنجگانہ میں سے کسی بھی نماز کا وقت ہونے پر اُسے باجماعت ادا کرتے ہیں، روزانہ کی نمازِ پنجگانہ کی جماعت ہو یا ہفتہ وار نمازِ جمعہ کی جماعت، دونوں میں سوائے خطبہ کے کوئی فرق نہیں ہے، اور خطبہ کی وجہ سے ہی ظہر کی چار رکعتوں والی نماز میں تخفیف کر کے جمعہ کی صرف دو فرض رکعتیں رکھی گئی ہیں.

میرے نزدیک اتنے بڑے جہاز پر نمازِ جمعہ ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں، جس پر کہ ایک سو آدمی کام کرتے ہیں، خصوصاً جبکہ امام کے ساتھ صرف تین آدمیوں اور ایک قول کے مطابق دو آدمیوں اور ایک قول کے مطابق صرف ایک آدمی کے موجود ہونے سے اور ایک قول کے مطابق صرف فردِ واحد کے موجود ہونے سے بھی جمعہ کا انعقاد ہو جاتا ہے، اور سو آدمیوں کا جمعہ تو بالأولیٰ منعقد [صحیح] ہو جائے گا.

اہم بات صرف یہ ہے کہ نمازیوں میں کوئی ایسا شخص ہونا ضروری ہے، جو خطبہ دے سکتا ہو یا لکھا ہوا خطبہ نمازیوں کے سامنے پڑھ سکتا ہو، تاکہ اس فریضہ کے شعائر مکمل ہو سکیں.

یہاں حالتِ سفر کا اعتبار نہیں ہوگا، کیونکہ یہ طویل مدّت [چھ ماہ]، اقامت کے

معنیٰ کے قریب قریب ہے، بالخصوص جبکہ یہ سب لوگ ایک ہی جگہ پر اکٹھے رہتے ہیں، فضاپُر استقرار ہے، جہاز اپنی حرکات میں ثابت ومحفوظ ہے، نہ اسے طغیانیاں یا موجیں بے قابو کرتی ہیں اور نہ ہی طوفان اس کا بیلنس خراب کرتے ہیں، [غرض ایسے جہاز میں جمعہ جائز ہے].(101)

جمعہ سے پہلے سنن ونوافل کی تعداد

نمازِ جمعہ کیلئے مسجد میں پہنچنے پر اگر خطبہ شروع نہ ہوا ہو، تو نمازی کو اجازت ہے کہ جتنے چاہے نوافل ادا کرے، کیونکہ جمعہ سے پہلے سنن ونوافل کی کوئی تعداد متعیّن نہیں بلکہ آداب ومستحباتِ جمعہ کے ضمن میں جتنی بھی احادیث گزری ہیں، ان سب میں یہی مذکور ہے کہ اُسے جتنی اللہ توفیق دے، نماز پڑھے، اور کیا جمعہ سے پہلے کوئی مؤکّدہ سنتیں مقرر ومتعیّن ہیں یا نہیں؟ اس سلسلہ میں اہلِ علم کے دوقول ہیں.

چار رکعتیں کہنے والوں کے دلائل اور انکا تجزیہ

احناف اور بعض شافعیہ کے نزدیک جمعہ سے پہلے بھی نمازِ ظہر کے طرح ہی سنتیں ہیں۔

ان کا استدلال ابنِ ماجۃ وطبرانی کبیر کی اُس روایت سے ہے جس میں حضرت ابنِ عبّاس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نمازِ جمعہ سے قبل چار رکعتیں پڑھا کرتے تھے، جبکہ اس روایت کی سند کو امام نووی نے سخت ضعیف قرار دیا ہے اور اس سند میں مذکور ایک شخص مبشّر بن عبید کو وضّاع، صاحبُ اباطیل یعنی جھوٹی روایتیں گھڑنے اور باطل خبریں نقل کرنے والا قرار دیا ہے .(102)

(101) ''منارالاسلام'' ابوظبی جلد ۱۷ شمارہ ۲، صفر ۱۴۱۲ھ اگست ۱۹۹۱ .

(102) نیل الأوطار ۲/۳/۲۵۴، الفتح الربّانی ۸۰/۶ .

ایسے ہی بعض مطلق احادیث سے بھی استدلال کیا گیا ہے، جن میں سے ایک صحیحین وسننِ اربعہ میں ہے، جس میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے.

(بَیْنَ کُلِّ اَذَانَیْنِ صَلٰوۃٌ) .(103)

''ہرآذان واقامت کے مابین نماز ہے''.

اس حدیث سے استدلال کے بارے میں صرف ایک بات قابلِ غور ہے کہ اگر جمعہ سے پہلے اس سے نماز ثابت ہوتی ہے، تو پھر کیا وجہ ہے کہ مغرب کی اذان واقامت کے مابین دورکعتیں ثابت نہیں ہوتیں، ایک ہی حدیث کے بارے میں یہ دو پیمانے کیوں؟

اور بالکل یہی معاملہ ایک اور مطلق حدیث کا ہے جس میں ہے :

(مَا مِنْ صَلٰوۃٍ مَفْرُوْضَۃٍ اِلَّا وَ بَیْنَ یَدَیْھَا رَکْعَتَیْنِ) .(104)

''ہرفرض نماز سے پہلے دورکعتیں ہیں''.

جمعہ سے پہلے دو یا چار سنتوں کے متعیّن ہونے پر اس بات سے بھی استدلال کیا گیا ہے کہ نمازِ جمعہ دراصل نمازِ ظہر کا بدل ہے، لہٰذا ظہر سے پہلے جتنی سنتیں ہیں، وہی جمعہ سے پہلے بھی ہیں، لیکن کثیر محققین نے اس قیاس کو غیر درست قرار دیا ہے بلکہ خود فقہ حنفی کی معتبر کتاب درِّ مختار میں لکھا ہے کہ جمعہ' ظہر کا بدل نہیں بلکہ ایک مستقل فریضہ ہے .(105)

لہٰذا جمعہ کی سنّتوں کو ظہر کی سنّتوں پر کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے؟ علّامہ ابنِ قیّم نے اِن تمام دلائل کو زادالمعاد میں ضعیف قرار دیا ہے .(106)

103)بخاری ۱۰۲/۲، ۱۱۰، مسلم ۱۶۴/۶/۳، ابو داؤد ۱۶۲/۴، ترمذی ۱۵۴/۱، نسائی ۲۸۲/۱، ابنِ ماجة ۳۶۸/۱، دار قطنی ۲۶۶/۱.

104)ابنِ حبّان ، دار قطنی ، طبرانی بحواله نیل الأوطار ایضاً .

105)الجمعة و مکانتها في الدین ، ص:۵۹۱ . 106) زادالمعاد محقق ۴۳۲/۱ ومابعد .

عدم تعیین : اِس موضوع میں دوسرا قول امام مالک واحمد رحمہما اللہ اور ایک وجہ سے شافعیّہ کا ہے، اِن کا استدلال یوں ہے کہ نبی ﷺ سے جمعہ کی پہلی رکعتوں کی کوئی تعیین کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں، نہ قول سے اور نہ ہی آپ ﷺ کے عمل سے، بلکہ نبی ﷺ جب منبر پر رونق افروز ہو جاتے تو اذان شروع ہو جاتی اور اذان ہو چکنے کے بعد آپ ﷺ کسی وقفہ کے بغیر خطبہ شروع فرما دیتے اور یہ کھلے مشاہدہ کی بات تھی ،علاّمہ عراقی فرماتے ہیں کہ [کسی صحیح حدیث میں] نبی ﷺ سے یہ منقول نہیں کہ آپ جمعہ سے پہلے کوئی [مقررہ رکعتوں پر مشتمل] نماز پڑھتے تھے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ ،علاّمہ ابنِ قیم ؒ اور کثیر محققین و علمائے حدیث کی تحقیق یہی ہے کہ جمعہ سے قبل مقررہ تعداد میں سنن ونوافل ثابت نہیں ،البتہ جوشخص امام کے خطبہ شروع کرنے سے پہلے مسجد میں پہنچ جائے وہ بلاتعیین جتنی سنتیں اور نوافل پڑھنا چاہے پڑھ لے، اور جونہی امام خطبہ شروع کرے، نوافل پڑھنا بند کردے .(107)

دورانِ خطبہ دو رکعتیں [تحیۃُ المسجد]

جوشخص اُس وقت مسجد میں پہنچے، جب خطبہ شروع ہو چکا ہو تو وہ صرف دو رکعتیں [تحیۃ المسجد] پڑھ سکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں، اور وہ بھی ہلکی سی، اور یہ دو رکعتیں ضرور پڑھ لینا چاہیئے ، کیونکہ صحیح بخاري و مسلم اور سننِ أربعة سمیت دیگر کتبِ حدیث میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

(إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَّجْلِسَ) .(108)

---

107)فتاویٰ ابنِ تیمیة ۲۴/۱۸۸۔۲۰۰، زاد المعاد ۱/۴۳۲۔۴۴۰ .

108) متفق علیہ، المشکوٰۃ ۱/۲۲۱، الفتح الربّانی ۵/۴۳۔۴۴ .

''تم میں سے کوئی شخص جب مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں ضرور پڑھ لے''۔

یہ ارشادِ نبوی ﷺ تو مطلق ہے کہ جب بھی کوئی مسجد میں داخل ہو، لیکن خاص جمعہ کے دن اور وہ بھی عین خطبہ کے دوران مسجد میں داخل ہونے والے کو بھی یہی حکم ہے، چنانچہ ترمذي ونسائي میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے :

(أَنَّ رَجُلاً دَخَلَ الْمَسْجِدَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَخْطُبُ عَلَى الْمِنْبَرِ فَأَمَرَهُ أَنْ يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ) . (109)

''جمعہ کے دن ایک شخص اُس وقت مسجد میں داخل ہوا، جبکہ نبی ﷺ خطبہ ارشاد فرمارہے تھے، تو آپ ﷺ نے اُسے دو رکعتیں پڑھنے کا حکم فرمایا''۔

ترمذي شریف کے الفاظ ہیں :

(أَنَّ رَجُلاً جَاءَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيْ هَيْئَةٍ بَذَّةٍ وَالنَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ فَأَمَرَهُ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَالنَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ) .(110)

''ایک آدمی جمعہ کے دن مسجد میں انتہائی مُفلسانہ وخستہ حال صورت میں آیا اور نبی ﷺ خطبہ ارشاد فرمارہے تھے۔ آپ ﷺ نے اُسے حکم فرمایا تو اُس نے دو رکعتیں پڑھیں، جبکہ آپ ﷺ خطبہ ارشاد فرماتے رہے''۔

صحیح مسلم، أبو داؤد اور دار قطني کی حدیث میں اس مذکورہ صحابی کا نام حضرت سُلیک غطفانی رضی اللہ عنہ لکھا ہے۔ خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد کے مانعین [احناف] اس حدیث کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے محض اس شخص کی مفلسی وغریبی اور خستہ حالی لوگوں کو دکھانے کیلئے ایسا کہا تا کہ ان کے دلوں میں صدقہ کا جذبہ پیدا ہو۔ اسی

---

(109) نیل الأوطار ۲۵۵/۳/۲، الفتح الربّانی ۶/ ۷۷ شرح۔

(110) ترمذی ۳/ ۳۱-۳۲، نیل الأوطار ۲۵۶/۳/۲، الفتح الربّانی ۶/ ۷۷۔

حدیث کی دوسری تاویل یہ بھی کی جاتی ہے کہ دارقطنی نے جو روایت بیان کی ہے، اس میں ہے کہ آپ ﷺ خطبہ روک کر خاموش ہوگئے تھے۔ گویا یہ واقعہ دلیل نہیں بن سکتا۔ جبکہ خود امام دارقطنی نے اُس حدیثِ انس رضی اللہ عنہ کو ضعیف قرار دیا ہے اور ترمذي کی صحیح حدیث سے ثابت ہورہا ہے کہ وہ دو رکعتیں پڑھتے رہے اور نبی ﷺ خطبہ ارشاد فرماتے رہے، لہٰذا اس تاویل کی حیثیت بھی ظاہر ہوگئی .(111)

اگر اس موضوع کی صرف یہی ایک حدیث ہوتی تو یہ تاویل بھی شائد چل سکتی تھی، مگر دورانِ خطبہ تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھنے کے بارے میں تو دیگر کتنے ہی ارشاداتِ نبوی ﷺ ہیں جو بالکل مطلق بھی ہیں، مثلاً صحیح بخاري و مسلم اور سننِ أربعة میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے :

(دَخَلَ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَخْطُبُ فَقَالَ صَلَّيْتَ ؟قَالَ : لَا،قَالَ : فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ). (112)

''جمعہ کے دن ایک آدمی اس وقت مسجد میں داخل ہوا جبکہ نبی ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، آپ ﷺ نے اس سے پوچھا:''کیا تم نے نماز [دو رکعتیں تحیۃ المسجد] پڑھی ہے؟''اس نے جواب دیا: نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا:''اٹھو اور دو رکعتیں پڑھو''.

بخاري و مسلم شریف کی ایک دوسری حدیث کے الفاظ ہیں :

(قُمْ فَارْكَعْ) .(113) ''اٹھو اور نماز پڑھو''.

شارحینِ حدیث [علّامہ ابن حجر و امام نووی] کے نزدیک اُس شخص سے بھی

---

111) تحفة الأحوذی ۳/۳۵_۳۶ ،منتقیٰ الأخبار ۲/۳/۲۵۶ .

112) بخاری ۲/۴۰۷_۴۱۲، مسلم ۳/۶/۱۶۲،۱۶۳،ترمذی ۳/۳۰، الفتح الربّانی ۶/۷۷، شرح السنة ۴/۲۶۳ .

113) حوالہ سابقہ

حضرت سُلیک رضی اللہ عنہ ہی مراد ہیں،البتہ بخاري و مسلم میں ہی ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے .

(اِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَ قَدْ خَرَجَ الْإِمَامُ فَلْيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ) .(114)

''جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن مسجد میں آئے اور امام نکل کر سامنے آچکا ہو تو اسے چاہیئے کہ دو رکعتیں پڑھ لے'' .

یہاں ''امام نکل چکا ہو'' سے مراد اسکا خطبہ شروع کرنا ہے اور اگر محض گھر سے نکل کر مسجد میں آنا یا منبر پر صرف بیٹھنا مگر خطبہ شروع نہ کرنا مراد لیا جائے تو پھر لیجئے ایک اور ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ کیجئے ،چنانچہ صحیح مسلم،أبو داؤد،نسائي ،مسند أحمد،دار قطني اور بیهقي میں ہے:

(قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَ هُوَ يَخْطُبُ :اِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَ الْإِمَامُ يَخْطُبُ، فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ وَلْيَتَجَوَّزْ فِيْهِمَا) .(115)

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:''جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن اُس وقت آئے کہ امام خطبہ دے رہا ہو تو اُسے چاہیئے کہ دو رکعتیں پڑھ لے اور اُسے چاہیئے کہ ان دونوں رکعتوں میں تخفیف سے کام لے'' .

تخفیف یعنی ہلکی سی رکعتیں پڑھنے کا حکم اس لیئے دیا گیا ہے تا کہ وہ جلد فارغ ہو کر خطبہ سن سکے۔امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

''یہ حدیث ایسی نص ہے کہ اس کی کسی قسم کی تاویل کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی اور میں نہیں سمجھتا کہ کوئی بھی عالم ایسا ہو جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ صحیح وصریح ارشاد پہنچے پھر بھی وہ اس کی مخالفت کرے''.(116)

---

114)مسلم ۳/۶/۶۳ ،الفتح الربّانی ۶/۷۷، نیل الأوطار۲/۳/۲۵۶.

115)مسلم۳/۶/۱۶۴، الفتح الربّانی ۶/۷۷،نیل الأوطار۲/۳/۲۵۶، مشکوٰۃ۳/۳۱۱_۳۱۳ .

116)النووی علیٰ صحیح مسلم ۳/۵/۱۶۴ .

یادر ہے کہ اسی حدیث میں حضرت سلیک عطفانی رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا ہے:

(قُمْ فَارْكَعْ رَكْعَتَيْنِ وَ تَجَوَّزْ فِيهِمَا) .(117)

''اٹھو دو رکعتیں پڑھو اور انھیں ہلکا سا پڑھو''.

پھر ارشاد فرمایا:

''جب [بھی] تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو اُسے چاہیئے کہ دو رکعتیں پڑھ لے، لیکن اُن میں تخفیف سے کام لے''

اس سے یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ لوگوں کو صدقہ کی ترغیب دلانے والی تاویل صحیح نہیں، بلکہ امام نووی رحمہ اللہ نے تو اُس تاویل کو باطل قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ حدیث کے آخری صریح اور مطلق الفاظ بھی اُس تاویل کی تردید کرتے ہیں .(118)

حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ بخاری شریف کی شرح فتح الباري میں لکھتے ہیں کہ:

''مانعین کی مذکورہ تاویل کا باعث دراصل یہ ہے کہ انکے خیال میں یہ احادیث [سورۂ اعراف آیت:۲۰۴] سے متعارض ہیں''

جس میں ارشادِ الٰہی ہے :

﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ .

''جب قرآن پڑھا جائے تو اُسے سنو اور خاموش رہو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے''.

اِسی طرح بخاری و مسلم میں مذکورہ احادیث اس حدیث کے بھی مخالف ہیں جس میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے :

117) مسلم ۳/۵/۱۶۴. 118) حوالہ سابقہ .

(اِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِکَ اَنْصِتْ وَ الاِمَامُ یَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ) .

''اگرتم نے اپنے ساتھی سے دورانِ خطبہ یہ کہا کہ چپ رہوتو تم نے لغو کام کا ارتکاب کیا''.

انکا کہنا ہے کہ جب بات کرنے والے کوصرف چُپ کرانا منع ہے تو تحیۃ المسجد بھی منع ہونا چاہیئے ، ایسے ہی گردنیں پھلانگ کرگزرنے والے شخص کو آپ ﷺ کا فرمانا کہ''بیٹھ جاؤ تم دیر سے آئے اور تم نے دوسروں کو اذیّت پہنچائی ہے''۔اُن کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ نے اُسے تحیۃ المسجد کا حکم نہیں فرمایا، بلکہ بیٹھ جانے کا حکم دیا تھا۔

اور طبرانی میں حدیث ابنِ عمر رضی اللہ عنہما میں ہے کہ:

''جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو اور امام منبر پر بیٹھ چکا ہو [یا خطبہ شروع کر چکا ہو] تو کوئی نماز نہ پڑھو، نہ گفتگو کرو جب تک کہ وہ فارغ نہ ہو جائے''

مانعین کی طرف سے دورانِ خطبہ تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں پڑھنے پرکُل یہ اعتراضات ہیں۔ جبکہ جواز وعدمِ جواز کے دلائل میں جمع وتطبیق ممکن ہے ،اور جب اس بات کا امکان ہوتو وہ تعارض پر مقدّم ہوتا ہے، تا کہ کسی واضح دلیل کو ساقط کرنے کی نوبت ہی نہ آئے ،رہی سورۂ اعراف کی آیت تو اس میں قرآن کی تلاوت کے وقت خاموشی کا حکم ہے، جبکہ خطبۂ جمعہ سب قرآن بھی نہیں ہوتا ،اور جو آیات دورانِ خطبہ آتی ہیں،انکی تلاوت کے وقت خاموشی کے عام حکم کو تحیۃ المسجد کے جواز والی احادیث سے خاص کردیا گیا ہے کہ یہ دو رکعتیں جائز ہیں،

اور حدیث(اِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِکَ اَنْصِتْ فَقَدْ لَغَوْتَ) میں جو ممانعت آئی ہے، وہ آپس میں گفتگو کرنے کی ہے، نہ کہ نماز پڑھنے کی ،اور اگر نماز سمیت سب کی ممانعت کا حکم بھی مان لیا جائے تو اُس عموم کو دو رکعتوں کے جواز والی احادیث سے

مخصوص کر دیا گیا ہے، اور دو رکعتیں پڑھنے والے کوتو [خاموش] قرار دینا بھی جائز ہے، جیسا کہ بخاري ومسلم ،أبو داؤد ،نسائي، ابنِ ماجة اورمسند أحمد کی حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے تکبیر تحریمہ اور قراءت کے درمیانی وقفہ میں محلّ دعاء (سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ .یَا.اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِي وَبَیْنَ خَطَایَايَ) پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سکوت کا اطلاق کیا ہے .(119)

گردنیں پھلانگ کر گزرنے والے شخص کا واقعہ مخصوص ہے، اُس کا حکم عام نہیں، اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اُسے بیٹھنے کا حکم دینے کا واقعہ تحیۃُ المسجد کی مشروعیت سے پہلے کا ہو، یا تحیۃُ المسجد پڑھنے کے بعد بیٹھنے کی شرط ہو، جس کا حکم اُس صحابی کو پہلے سے معلوم ہو، یا پھر اُسے بیانِ جواز پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے، اور یہ بھی امکان ہے کہ وہ خطبہ کے آخر میں ایسے تنگ موقع پر داخل ہوا ہو جس میں دو رکعتیں پڑھنے کی گنجائش ہی نہ رہی ہو۔

رہا معاملہ طبرانی والی حدیث کا تو وہ ضعیف ہے، اُسکی سند کا ایک شخص ایوب بن نُہیک معروف علماء رِجال امام ابوزرعہ اور ابوحاتم کے نزدیک منکر الحدیث ہے، اور ایسی ضعیف روایات صحیح احادیث کا مقابلہ کرنے والی نہیں ہوسکتیں .(120)

الغرض سابقہ تصریحات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ دورانِ خطبہ دو رکعتیں پڑھ کر ہی بیٹھنے والوں کے دلائل عدمِ جواز والوں کے دلائل سے زیادہ قوی ہیں، لہٰذا دورانِ خطبہ مسجد میں پہنچنے والے شخص کو چاہیئے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں تحیۃُ المسجد پڑھ لے .

فتح الملھم شرح صحیح مسلم میں علاّمہ شبیر احمد عثمانی کا یہ کہنا :

(وَالْاِنْصَافُ أَنَّ الصَّدْرَ لَمْ یَنْشَرِحْ لِتَرْجِیحِ أَحَدِ الْجَانِبَیْنِ

(119) الفتح الربّانی ۶/۳ ـ۷۶ـ۷۹ . (120) فتح الباری ۲/۴۰۹ .

اِلیٰ الْآن) .

''انصاف کی بات تو یہ ہے کہ اب تک کسی جانب کے راجح ہونے پر ہمارا شرحِ صدر نہیں ہوا''

شائد مراجع کی قلّت کی وجہ سے ہو، جس کا اندازہ ان کے اِن الفاظ سے ہو جاتا ہے :

(وَلَعَلَّ اللّٰهُ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْرَاً)

''شائد اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں کبھی شرحِ صدر کا انتظام فرمادے''.(121)

لہٰذا انشراحِ صدر کیلئے آج کے علماء حاشیہ میں مذکور مراجع ملاحظہ فرمائیں .(122)

جمعہ کا وقت اور اذان

نمازِ جمعہ کا وقت جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین وائمہ کرام کے نزدیک زوالِ آفتاب سے ہی شروع ہوتا ہے، کیونکہ صحیح بخاری، أبو داؤد، ترمذي، بیهقي اور مسند أحمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے :

(كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُصَلِّي الْجُمُعَةَ حِيْنَ تَمِيْلُ الشَّمْسُ) .(123)

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ اُس وقت پڑھا کرتے تھے جب سورج سَر سے ڈھل جاتا'' .

امام بخاری اِس حدیث کے ترجمة الباب میں فرماتے ہیں:''جمعہ کا وقت زوالِ آفتاب کے بعد ہے۔عمر، علی، نعمان بن بشیر اور عمرو بن حُریث رضی اللہ عنہم سے اِسی وقت کی روایتیں ملتی ہیں ، اور جمعہ کی ادائیگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ تاخیر نہیں فرمایا

121) معارف الحدیث ۳/۳۹۲ حاشیہ .

122) فتح الباری ۲/۴۰۷۔۴۱۵،شرح مسلم نووی ۳/۶/۱۶۲۔۱۶۵، نیل الأوطار ۲/۳/۲۵۴۔۲۵۹، الفتح الربّانی ۶/۷۷۔۸۰، المرعاۃ ۳/۳۱۱۔۳۱۲فتاویٰ ابنِ تیمیة ۲۴/۱۸۸۔۲۲۰، شرح السنّة ۴/۲۶۳۔۲۶۶.

123) بخاری ۲/۳۸۶،أبو داؤد ۳/۴۲۷، ترمذی ۳/۱۹،نیل الأوطار ۲/۳/۲۵۹، الفتح الربّانی ۶/۳۷ .

کرتے تھے، بلکہ بخاری ومسلم،أبو داؤد، نسائی، بیھقی،دار قطنی اور مسند أحمد میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

(كُنَّا نَجْتَمِعُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ نَرْجِعُ نَتَتَبَّعُ الْفَيْئَ) .(124)

''ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس وقت جُمعہ پڑھتے تھے جبکہ سورج ڈھل چکا ہوتا تھا اور پھر ہم واپسی میں سایہ تلاش کرتے تھے''.

جبکہ أبو داؤد و مسند أحمد کے الفاظ ہیں :

(نَنْصَرِفُ وَ لَيْسَ لِلْحِيْطَانِ فَئٌ) .(125)

''ہم لوٹتے تو دیواروں کا [کوئی خاص] سایہ نہ ہوتا تھا''.

صحیحین و سنن أربعة اور مسند أحمد میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

(مَا كُنَّا نَقِيْلُ وَلاَ نَتَغَدَّىٰ اِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ) .(126)

''ہم [عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ،مسلم،ترمذی،احمد] قیلولہ اور دوپہر کا کھانا جمعہ پڑھنے کے بعد ہی کھاتے تھے''

اِن سب احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبۂ ونمازِ جمعہ کو اتنا مؤخر نہیں کردینا چاہیئے کہ عصر کا وقت ہوجائے ،جیسا کہ ہمارے ممالک میں عموماً ہو رہا ہے، بلکہ عہدِ نبوت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دوپہر کا کھانا اور آرام جمعہ پڑھ کر کیا کرتے تھے.

امام احمد و اسحاق رحمہما اللہ کے نزدیک جمعہ کا وقت سورج کے ایک نیزہ بلند ہونے سے شروع ہوجاتا ہے لیکن یہ انکے نزدیک محض وقتِ جواز ہے، وقتِ وجوب

124) الفتح الربّانی ٦/٣٩، نیل الأوطار ٢/٣/٢٥٩،اور ترمذی(٣/١٩)میں اسکی طرف اشارہ موجود ہے .

125) أبو داؤد ٣/٤٢٨،الفتح الربّانی ٦/٣٩ .

126) نیل الأوطار ٢/٣/٢٥٩،الفتح الربّانی ٦/٣٩.

زوال کے بعد ہی ہے،اورانکا استدلال صحیح مسلم،نسائي اور مسندأحمد کی ایک حدیث سے ہےاورایسی ہی بعض دیگراحادیث بھی ہیں،مگر جمہور کے نزدیک ان کامفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ جمعہ بہت جلدی پڑھتے تھے،لیکن وہ زوال کے بعد ہی ہوتا تھا۔اورامام شوکانی لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کاعموماً زوال کے بعد جمعہ پڑھنامذکورہ احادیث کی رو سے قبل اززوال کے جواز کی نفی بھی نہیں کرتا .(127)

اُس زمانے میں طویل خطباتِ جمعہ کارواج نہ تھا، کیونکہ صحیح مسلم شریف اوردیگر کتبِ حدیث میں ارشادِنبوی ﷺ ہے :

(اِنَّ طُوْلَ صَلٰوۃِ الرَّجُلِ وَ قِصَرَ خُطْبَتِہٖ مِئِنَّۃٌ مِنْ فِقْھِہٖ) .(128)

''بیشک نماز کولمبا کرنااورخطبہ مختصر دینا،خطیب کی فقاہت کی علامت ہے''.

اسی حدیث میں حکم فرمایا ہے :

(.....وَاقْصُرُوْا الْخُطْبَۃَ) . ''خطبہ مختصر دیا کرو''.

البتہ صحیح بخاري شریف میں ایک حدیث سے گرمی وسردی کے موسم میں جمعہ میں تقدیم وتاخیر کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ حضرت انس ؓ سے مروی ہے :

(کَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا اشْتَدَّ الْبَرْدُ بَکَّرَ بِالصَّلٰوۃِ وَاِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ أَبْرَدَ بِالصَّلٰوۃِ یَعْنِی الْجُمُعَۃِ) .(129)

''جب سخت سردی ہوتی تو نبی ﷺ جمعہ جلدی پڑھا کرتے اور جب سخت گرمی کے دن ہوتے تو آپ ﷺ نماز کوٹھنڈا کر کے [یعنی کچھ تاخیر سے، گرمی کم ہونے پر] پڑھتے تھے''

---

127)نیل الأوطار ۲/۳/۶۱ ـ ۲۶۰.

128)مسلم مع النووی ۳/۶/۱۵۸،الترمذی ۳/۲۵،نیل الأوطار ۲/۳/۲۶۹، شرح السنۃ ۴/۲۵۱

129)بخاری ۲/۳۸۸.

اذانِ عثمانی

یادرہے کہ نبی اکرم ﷺ اورحضرت ابوبکرصدیق وعمرِ فاروق رضی اللہ عنہما کے زمانۂ خلافت تک جمعہ کی صرف ایک ہی آذان ہوا کرتی تھی، جبکہ امام منبر پر بیٹھ جاتا، اور جب حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آیا اور مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تو انھوں نے خطبہ والی اذان سے پہلے ایک آذان کہلوانا شروع کی، جو مدینہ منورہ کے بازار میں واقع مقامِ زوراء پر کھڑے ہوکر کہی جاتی تھی اور یہ طبرانی کی ایک روایت کے مطابق لوگوں کو متنبّہ کرنے کیلئے تھی کہ جمعہ کا وقت قریب آ گیا ہے تاکہ لوگ جلد تیار ہوجائیں، اس کے بعد سے آج تک یہی معمول آرہا ہے.(130)

صحیح بخاري شریف میں مذکوراس حدیث سے امام بخاری نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ اذان کے وقت خطیب کا منبر پر بیٹھنا مسنون ہے ، امام مالک وشافعی سمیت جمہور کا یہی مسلک ہے.(131)

اس سے اگلے باب میں اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ اذان خطبہ شروع کرنے سے پہلے ہونی چاہیئے.(132)

اکثر احادیث بلکہ[التمہید شرح المؤطا] میں علّامہ ابن عبدالبّر رحمہُ اللہ کے نزدیک صحیح تر احادیث کی رُو سے خطبہ شروع ہونے سے پہلے والی اذان کیلئے مؤذن کو چاہیئے کہ مسجد کے دروازے پر کھڑا ہو.(133)

یہ تو اُس وقت ہے جب مؤذن ایسے ہی اذان کہہ رہا ہو، رہا مسئلہ لاؤڈ سپیکر میں اذان کہنے کا تو وہ ظاہر ہے کہ جہاں سَیٹ ہوگا، وہیں کھڑے ہونا پڑے گا.

---

130) بخاری ۲/۳۹۳_۳۹۵_۳۹۷،أبو داؤد ۳/۴۲۹_۴۳۰، ترمذی ۳/۴۸،

نسائی بحوالہ نیل الأوطار۲/۳/۲۶۲،الفتح الربّانی ۶/۸۱_۸۲

131) بخاری ۲/۳۹۴. 132) بخاری ۲/۳۹۶. 133) عون المعبود ۳/۴۳۷.

آجکل جوپہلی آذان ہوتی ہے، یہ چونکہ نبی ﷺ کے عہدِ مسعوداور دوخلفاء کے دورِ خلافت اور خلافتِ عثمانی رضی اللہ عنہ کے ابتدائی زمانہ تک سِرے سے موجود ہی نہیں تھی، اورانھوں نے محض لوگوں کو جمعہ کی تیاری کیلئے متنبّہ کرنے کی غرض سے اِس کا اِجراء کیا تھا، یہی وجہ ہے کہ مختلف ممالک میں اس پہلی اذان کے مختلف اوقات ہیں، ہمارے برِ صغیر کے ممالک میں یہ بھی زوالِ آفتاب کے بعد ہی ہوتی ہے اوراس کے کچھ وقت بعد دوسری اذان کہی جاتی ہے اوراس کے ساتھ ہی خطبہ شروع ہو جاتا ہے اور یہی مسنون طریقہ ہے کہ اس اذان کے فوراًبعد ہی خطبہ شروع ہوجائے۔اورسعودی عرب وخلیجی ممالک میں پہلی اذان زوالِ آفتاب سے بھی بہت پہلے تقریباًدس، ساڑھے دس بجے کہی جاتی ہے۔اور فتح الباري میں مذکورہ حدیث کی شرح میں حافظ ابنِ حجر لکھتے ہیں کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ مغربِ قریب کے ممالک میں صرف ایک ہی اذان دی جاتی ہے[جیسا کہ عہدِ نبوی ﷺ اور پہلے دوخلفاء کے یہاں تھا](134)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مصنف ابن أبي شيبة میں منقول ہے:

(اَلْاَذَانُ الْأَوَّلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِبِدْعَةٌ) ''جمعہ کی پہلی اذان بدعت ہے''

ممکن ہے یہ علی وجہِ الانکار ہو، یااس بناء پر کہ یہ عہدِ نبوی ﷺ میں نہیں تھی۔(135)

جماعت المسلمین[کراچی]والے بھی ایک ہی اذان کے قائل ہیں.(136)

بہرحال ان ہر دوطریقوں میں سے کسی بھی ایک پرعمل پیرا کو قابلِ ملامت قرار نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ ہر دو کا عمل ہی مبنی بر دلیل ہے۔لیکن اس معاملہ میں خلافتِ عثمانی رضی اللہ عنہ سے لیکر آج تک جمہورِ امّت کا عمل دو اذانوں پر ہی ہے.

---

134)فتح الباری ۳۹۴/۲.　　135)فتح الباری ۳۹۴/۲

136)صلوٰۃ المسلمین ص:۲۲۹ازمسعوداحمد (بی۔اے).

منبر پر چڑھ کر سلام کہنا

خطبہٴ جمعہ شروع کرنے کیلئے اذان سے قبل جب امام وخطیب منبر پر بیٹھے تو اُسے چاہیئے کہ منبر پر چڑھتے ہی بیٹھنے سے پہلے سلام کہے،اس بات کا پتہ ابن ماجة،طبراني،بيهقي،ابنِ عدي اور شافعي کی مرفوع اور سنن اثرم کی مرسل روایات سے چلتا ہے،لیکن یہ روایات محدّثین کے معیارِ صحّت پر پوری نہیں اُترتیں،شائد یہی وجہ ہوگی کہ امام ابوحنیفہ رحمہٗ اللہ کے نزدیک دخولِ مسجد کے وقت کہا ہوا سلام ہی کافی ہے،منبر پر چڑھ کر سلام کا اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں،یہ ان کے نزدیک ناپسندیدہ ہے،جبکہ مالکیہ کے نزدیک سلام اس وقت ہے جب امام خطبہ کیلئے نکلے اور باقی ائمہ وفقہاء کے نزدیک مذکورہ روایات کی رو سے یہ سلام منبر پر چڑھ کر بھی مشروع ہے .(137)

منبر پر چڑھ کر سلام کہنے کے مخالف بھی کوئی ثبوت نہیں بلکہ جو ثبوت ہیں وہ اگرچہ معیارِ صحّت پر پورے نہیں اترتے،لیکن ہیں تو سلام کی مشروعیّت ومسنونیّت پر دلالت کرنے والے،اور امام شعبی رحمہٗ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدّیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما اور اثرم کی روایت کے مطابق اِن دونوں کے ساتھ ابنِ مسعود و ابنِ زبیر رضی اللہ عنہما اور امام بخاری کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی خطبہ کیلئے منبر پر بیٹھتے وقت سلام کہا کرتے تھے .(138)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہٗ اللہ سے بھی سلام کہنا منقول ہے .(139)

بوقتِ خطبہ نمازیوں کے بیٹھنے کا انداز

جب خطبہ شروع ہوجائے تو نمازیوں کیلئے مستحب یہ ہے کہ وہ خطیب کی طرف

137) نیل الأوطار ۲/۳/۲۶۱،الفقه الاسلامی للزحیلی ۲/۲۹۱، سبل السلام ۲/۴۸، شرح السنّة ۴/۲۴۲.

138) فقه السنة سیّد سابق ۱/۳۰۸،الفقه الاسلامی ۲/۲۹۱ حاشیه . 139) تحقیق شرح السنّة ۴/۲۴۳.

رُخ کر کے بیٹھیں، کیونکہ سنن ابنِ ماجۃ میں ہے :

(كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا قَامَ عَلَى الْمِنْبَرِ اسْتَقْبَلَهُ أَصْحَابُهُ بِوُجُوهِهِمْ).(140)

''نبی ﷺ جب خطبہ کیلئے منبر پر کھڑے ہوجاتے تو صحابہ کرامؓ اپنے چہرے آپ ﷺ کی طرف کر لیتے''.

اِسی طرح ترمذی شریف میں حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے :

(كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا اسْتَوَىٰ عَلَى الْمِنبَرِ اسْتَقْبَلْنَاهُ بِوُجُوْهِنَا) .(141)

''نبی ﷺ جب منبر پر کھڑے ہوجاتے تو ہم آپ ﷺ کی طرف رُخ کر لیتے تھے''.

بلوغ المرام میں ہے کہ اس حدیث کی شاہد صحیح ابنِ خذیمہ میں موجود ہے۔(142)
بیہقی و طبرانی أوسط میں بھی یہ بات مذکور ہے،امام ترمذی مذکورہ حدیث نقل کرنے اور اسکے ضُعف کی طرف اشارہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ خطبہ کے دوران امام کی طرف رُخ کرنا صحابہ کرام ﷺ اور تمام اہلِ علم کے نزدیک مستحب ہے .(143)

صحیح بخاری و مسلم اور نسائی شریف میں حضرت ابوسعید خدری ﷺ سے مروی ایک حدیث ہے، جس سے امام بخاری رحمہٗ اللہ نے یہی مسئلہ اخذ کیا ہے اور یہ باب قائم کیا ہے کہ ''دورانِ خطبہ امام لوگوں کی طرف اور لوگ امام کی طرف رُخ رکھیں''۔اور ترجمة الباب میں حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت انس ﷺ کا عمل بھی یہی نقل کیا ہے، بخاری میں خطبۂ عید کے بارے میں حضرت ابوسعید ﷺ سے مروی

140)نیل الأوطار۲/۳/۲۶۲.   141)ترمذی۲۸/۳.
142)بلوغ المرام و نیل الأوطار ۲/۳/۲۶۲ .   143)ترمذی ۲۹/۳

حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے.(144)

ابن المنذ رفرماتے ہیں کہ مجھے علم نہیں کہ اس مسئلہ میں اہلِ علم کے مابین کوئی اختلاف ہو(145)

ابوداؤد میں ایک روایت ہے:

''اللہ کے ذکر کی طرف آؤ، امام کے قریب ہوکر بیٹھواس لیئے کہ انسان [خیر وبرکت کے مقامات سے]دور ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ جنّت میں دیر سے پہنچتا ہے، چاہے پہنچ ہی جاتا ہے''.

امام منذری رحمہٗ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اگرچہ انقطاع ہے، لیکن اس موضوع کی ترغیب دلانے والی دیگر صحیح احادیث سے امام کے قریب بیٹھنے کی مشروعیّت کا پتہ چلتا ہے۔(146)

خطبۂ جمعہ کیلئے خطیب کی جگہ

خطبۂ جمعہ کسی بلند جگہ یا منبر پر کھڑے ہوکر دینا چاہیئے جیسا کہ آج کل معروف ہے، نبی اکرم ﷺ پہلے منبر کے بغیر ہی کھڑے ہوکر خطبہ اِرشادفرمایا کرتے تھے، پھر ایک انصاری کوآپ ﷺ نے حکم فرمایا کہ اپنے غلام سے منبر بنانے کا کہے، جوکہ لکڑی کا کام کرتا تھا، اُس کا نام میمون تھا، اُس نے آپ ﷺ کیلئے منبر تیار کیا، جوتین سیڑھیوں یا درجوں والا تھا، بعض روایات میں دوسیڑھیاں مذکور ہوئی ہیں، جن میں سب سے اوپر والی کا شمار نہیں کیا گیا، جس پر آپ ﷺ بیٹھا کرتے تھے، اور منبر کی تیاری کا یہ واقعہ ۷ھ یا ۸ھ کا ہے.(147)

---

144) بحوالہ تحفة الأحوذی ۲۸/۳.　　145) بخاری و فتح الباری ۴۰۲/۲.

146) أبو داؤد و عون المعبود ۴۵۷/۳،نیل الأوطار ۲۳۹/۳/۲ حدیث ''مَنْ غَسَّلَ وَ اغْتَسَلَ''میں: وَ دَنَا مِنَ الْإِمَامِ ''کے الفاظ بھی ہیں جوکہ سنن أربعة و مسند أحمد اور شرح السنّة ۲۳۶/۴ میں ہے.

147) أبو داؤد و عون المعبود ۴۱۹/۳۔۴۲۲،سبل الاسلام ۴۵/۲.

اس منبر کی تیاری سے قبل نبی اکرم ﷺ کھجور کے ایک تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے،صحیح بخاري،مسند أحمد اور دیگر کتبِ حدیث میں مذکور ہے کہ جب آپ ﷺ نے منبر پر خطبہ ارشاد فرمانے کا آغاز کیا تو کھجور کا وہ تنا رونے لگا،حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اُسے اس طرح روتے سنا جیسے کوئی [معصوم] بچہ رو رہا ہو،آگے وہ بیان فرماتے ہیں :

(فَمَا زَالَتْ تَحِنُّ حَتیٰ نَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَنِ الْمِنْبَرِ فَمَشَا اِلَیْهَا فَاحْتَضَنَهَا فَسَكَنَتْ) .(148)

''وہ مسلسل روتا رہا،یہاں تک کہ نبی اکرم ﷺ منبر سے اُتر کر اسکی طرف چل دیئے اور اُسے اپنی آغوشِ مبارک میں بھر لیا تو پھر وہ تنا پُرسکون ہو گیا''.

نبی ﷺ کے فراق میں کھجور کے سُوکھے ہوئے بے جان تنے کا رونا،اور آپ ﷺ کے اُسے اپنی آغوش میں بھر لینے پر اس کا خاموش ہو جانا،یہ امام الانبیاء ﷺ کا ایک معجزہ تھا۔

کھڑے ہو کر خطبہ دینا

نبی ﷺ کے کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمانے اور دو خطبوں کے درمیان تھوڑا سا بیٹھنے کا ثبوت صحیح بخاري ومسلم،سنن أربعة اور مسند أحمد میں مذکور ہے،حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے :

(كَانَ النَّبِيُّ يَخْطُبُ قَائِمَاً ثُمَّ يَقْعُدُ ثُمَّ يَقُوْمُ كَمَا تَفْعَلُوْنَ الْآنَ) .(149)

148) بخاری،ترمذی ۲۲/۳، الفتح الربّانی ۸۳/۶ .

149) بخاری ۳۹۷/۲۔۴۰۱،۴۰۶/۲،مسلم ۱۴۹/۶/۳،ترمذی ۲۳/۳، نیل الأوطار ۲۶۸/۳/۲، الفتح الربّانی ۸۹/۶ .

’’نبی ﷺ کھڑے ہوکر خطبہ ارشاد فرماتے، پھر [تھوڑا سا] بیٹھتے، پھر کھڑے ہوجاتے تھے، جیسا کہ آج کل تم کرتے ہو‘‘.

صحیح مسلم، أبو داؤد، نسائي، ابنِ ماجة اور مسند أحمد میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

(مَنْ حَدَّثَکَ أَنَّهُ کَانَ يَخْطُبُ جَالِسًا فَقَدْ کَذَبَ) .(150)

’’جس نے آپ کو یہ خبر دی کہ نبی ﷺ بیٹھ کر خطبہ دیتے تھے، اُس نے جھوٹ بولا‘‘

اِن صحیح احادیث کے علاوہ قرآنِ کریم، سورۂ جمعہ، آیت:۱۱ کے الفاظ ہیں:

﴿وَتَرَکُوکَ قَائِمًا﴾ .

’اور (وہ لوگ) آپ [ﷺ] کو کھڑے چھوڑ گئے‘‘.

اِن الفاظ سے بھی کھڑے ہوکر خطبہ دینے کا پتہ چلتا ہے، کیونکہ یہ واقعہ جمعہ کے خطبہ کے دوران ہی پیش آیا تھا، جیسا کہ صحیح بخاري و مسلم شریف میں مذکور ہے .(151)

خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم بھی کھڑے ہوکر خطبہ دیا کرتے تھے، اور جمہور کے نزدیک خطبۂ کیلئے کھڑے ہونا واجب ہے، لیکن امام ابوحنیفہ رحمہٗ اللہ سے اس کا سنّت ہونا منقول ہوا ہے .(152)

---

150) مسلم ۱۴۹/۶/۳، أبو داؤد ۴۴۱/۳، تحفة الاحوذی ۲۴/۳، الفتح الربّانی ۸۹/۶ .

151) تخریج ۱۴۹ میں گزر گئی ہے نیز دیکھیئے سبل السلام و بلوغ المرام ۴۶/۲ .

152) الفتح الربانی ۹۶/۶، سبل السلام ۴۷/۲، عون المعبود ۴۴۳/۳، فتح الباری ۴۰۱/۲، شرح السنّة ۲۴۶/۴-۲۴۹، شرح مسلم للنووی ۱۴۹/۶/۳-۱۵۲، اسی میں یہ الفاظ بھی ہیں: ’’اُنْظُرُوا اِلیٰ هَذَا الْخَبِيثِ‘‘ اس خبیث کو دیکھو۔ یہ الفاظ عبدالرحمٰن بن ام الحکم کو بیٹھ کر خطبہ دیتے ہوئے دیکھ کر کہے گئے تھے .

خطبۂ جمعہ کا حکم

جمعہ تو کہیں بھی خطبہ کے بغیر نہیں ہوتا ،اور نہ ہی کسی مسلک کے لوگ ایسا کرتے ہیں ،البتہ خطبہ کی شرعی حیثیت اور اس کے حکم کے بارے میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں ۔جمہور اہلِ علم کے نزدیک خطبہ واجب ہے،اور ان کا استدلال اُن سب صحیح احادیث سے ہے جن میں ہے کہ نبی ﷺ سے ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے کبھی کوئی جمعہ خطبہ کے بغیر پڑھایا ہو،امام ابوحنیفہ، مالک، احمد اور شافعی رحمہم اللہ کا یہی مسلک ہے،البتہ بعض تفصیلات میں کچھ اختلاف ہے ، جبکہ حضرت حسن بصری ، داؤد ظاہری ، امام الحرمین جوینی ،فقہاء وائمہ مالکیہ میں سے عبدالملک بن حبیب اور ابنِ الماجشون اور عام علمائے حدیث کا مسلک یہ ہے کہ خطبۂ جمعہ سنّت ہے،اور ان کا استدلال یوں ہے کہ کسی چیز پر نبی ﷺ کے ہمیشگی کرنے سے یہ بہر حال ثابت نہیں ہوتا کہ وہ واجب ہو،امام شوکانی نے طرفین کے دلائل ذکر کرنے اور اُن پر بحث وتنقید کے بعد محاکمہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بظاہر یہ دوسرا مسلک ہی صحیح تر معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ سنّت ہے .(153)

دیگر تفصیلات شروحِ حدیث و کتبِ فقہ میں دیکھی جاسکتی ہیں ، بہر حال تعاملِ امّت میں خطبۂ جمعہ ایک ضروری امر چلا آرہا ہے .

اجزاءِ خطبہ

نبی اکرم ﷺ کے خطباتِ جمعہ عموماً پانچ امور پر مشتمل ہوتے تھے :

(۱)حمد وثنائے باری تعالیٰ (۲)اپنی رسالت کی شہادت ،

(۳)لوگوں کو وعظ ونصیحت ، (۴)قرآنِ کریم کی بعض سورتوں یا آیات کی تلاوت

(۵)اور مسلمانوں کیلئے دعاء .

---

153)نیل الأوطار ۲۶۵/۳/۲ـ۲۶۶، الفتح الربّانی ۹۵/۶، فقه السنّة ۳۰۸/۱ .

صحیح مسلم،سنن أربعة،مسند أحمد،صحیح ابنِ حبّان اور بیهقي میں مذکور بعض احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اِن امور کا اہتمام ہر خطبہ میں ہونا چاہیئے .(154)

بلکہ شافعیہ کے نزدیک یہ پانچوں اجزاء خطبہ کے رکن ہیں، جبکہ حنابلہ کے نزدیک صرف انہی پر اکتفاء کرنا مکروہ ہے، اور مالکیہ کے نزدیک وعظ جمعہ کا رکن ہے اور باقی امور سنّت ہیں (155)

خطیب کے بارے میں چند احکام

[أَمَّا بَعْدُ] کہنا

خطبۂ جمعہ ہو یا کوئی بھی حلقۂ درس، خطیب وواعظ کو چاہیئے کہ حمد وثناء اور صلوٰۃ و سلام سے فارغ ہو کر اپنی بات شروع کرنے سے پہلے وہ [أَمَّا بَعْدُ] کہے کیونکہ یہ سنّتِ رسول ﷺ ہے، آپ ﷺ جب بھی خطبہ ارشاد فرماتے تو یہ کلمات کہا کرتے تھے، اور عبدالقادر رہاوی نے بتّیس (32) صحابہ رضی اللہ عنہم کی احادیث جمع کی ہیں، جن میں سے ہر ایک میں یہ کلمات نبی ﷺ کے خطبات سے منقول ہیں، امام بخاری رحمۂ اللہ نے اپنی صحیح میں اِسی موضوع کی کچھ موصول اور بعض معلّق احادیث نقل کی ہیں اور اُن پر یہ باب قائم کیا ہے :

بَابُ مَنْ قَالَ فِي الْخُطْبَةِ بَعْدَ الثَّنَاءِ :أَمَّا بَعْدُ .(156)

''خطبہ میں حمد وثناء کے بعد [أَمَّا بَعْدُ] کہنے کا بیان''

154) نصوصِ احادیث کیلئے دیکھیئے نیل الأوطار ۲/۳/۲۶۴-۲۶۶،فقه السنّة ۱/۳۰۹-۳۱۰ .

155) شرح السنّة و تحقیقه ۴/۲۵۲،الفتح الربّانی ۶/۹۵-۹۶،
الفقه علیٰ المذاهب الأربعة ۱/۳۹۰،۹۱،عون المعبود ۳/۴۴۳-۴۴۴ .

156) بخاری وفتح الباری ۲/۴۰۲-۴۰۶ .

ہاتھ میں عصا لینا

جبکہ أبو داؤ دو مسند أحمد میں مذکور ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ خطیب کو بوقتِ خطبہ ہاتھ میں کوئی عصا بھی پکڑ لینا چاہیئے کیونکہ اِس حدیث میں نبی ﷺ سے یہ منقول ہوا ہے، اور اس حدیث میں قوس یا عصا دونوں کا ذکر ہے .(157)

اس کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ ہاتھ میں عصا کی موجودگی خطیب کے ہاتھوں کو لایعنی اِدھر اُدھر چلانے سے روک دے گی، اور یہ اس کی دلبستگی کا باعث بھی ہوگا .(158)

لیکن علاّمہ ابن قیّم کی تحقیق یہ ہے کہ منبر بن جانے کے بعد نبی ﷺ کوئی چیز ہاتھ میں نہیں پکڑا کرتے تھے، نہ قوس نہ عصا، اگر یہ سنّت ہوتا تو ہرگز ترک نہ کرتے، بعض شروحِ حدیث میں لکھا ہے کہ خطبہ کے وقت خطیب عصا، قوس نیزہ یا تلوار ہاتھ میں لے لے .(159)

علاّمہ ابن قیّم رحمہٗ اللہ لکھتے ہیں کہ نبی ﷺ نے منبر بن جانے کے بعد کوئی چیز نہیں پکڑی اور تلوار تو آپ ﷺ پہلے بھی نہیں پکڑا کرتے تھے، اور جو جاہل یہ سمجھتے ہیں کہ آپ ﷺ تلوار اس لیئے پکڑتے تھے کہ یہ اس بات کی علامت ہو کہ دین اسی کے ذریعے پھیلا ہے، تو یہ ان کی انتہائی جہالت ہے .(160)

خطبہ منقطع کرنا

اگر کبھی کوئی خاص ضرورت پیش آجائے تو خطبہ کو چند لمحات کیلئے منقطع کرنے اور پھر جہاں سے چھوڑا ہو، وہیں سے شروع کر دینے کے جواز کا بھی صحیح احادیث سے

157)نیل الأوطار ۲۶۸/۳/۲، أبو داؤد ۴۴۵/۳،الفتح الربّانی ۹۲/۶ .

158)حوالہ جاتِ سابقہ ص:۲۶۹،ص:۲۴۶،ص:۹۳ .

159)عون المعبود ۴۶/۳_۴۴۵، سبل السلام ۵۹/۲/۱،الفتح الربّانی ۹۶/۶ .

160)زاد المعاد، حاشیہ سبل السلام ۵۹/۲/۱ .

پتہ چلتا ہے جیسا کہ صحیح مسلم،نسائي ،مسند أحمداوربیهقي میں حضرت ابو رفاعہ عدوی ﷛ سے مروی حدیث میں خطبہ روک کر ایک اجنبی آدمی سے دینی امور کے بارے میں چند باتیں کرنے اور دوبارہ خطبہ شروع کرنے کا ذکر ہے .(161)

اِسی طرح سنن أربعة اورمسند أحمد میں واقعہ مذکور ہے کہ نبی ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے ،اِسی دوران حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما سرخ رنگ کی قمیصیں پہنے گرتے پڑتے آرہے تھے ،انھیں دیکھ کر نبی ﷺ منبر سے نیچے تشریف لے آئے ،اوراُنھیں اٹھا کر اپنے سامنے بٹھالیا، پھر آپ ﷺ نے [سورۂ تغابن کی آیت:۱۵] تلاوت فرمائی:

﴿ اِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَ أَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ﴾.

''اور فرمایا: کہ اللہ نے سچ فرمایا ہے :[تمہارے مال اور اولاد تمہارے لئے آزمائش ہیں]''.

میں نے ان دونوں کو گرتے پڑتے آتے دیکھا تو صبر نہ ہوا اور انھیں بات روک کر اُٹھالایا ہوں،اور پھر خطبہ شروع فرمادیا .(162)

غیر متعلقہ بات کرنا

بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اگر خطبہ کے دوران خطیب کوئی [غیر متعلقہ] بات کرے،تو دوبارہ نئے سرے سے خطبہ شروع کرے، گویا انکے نزدیک ایسا کرنے سے خطبہ فاسد ہوجاتا ہے،اور امام خطابی اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''فقہاء کے اقوال سے سنّتِ رسول ﷺ اولیٰ ہے''(163)

---

161)مسلم ۱۶۵/۶/۳،الفتح الربّانی ۱۰۱/۶ـ۱۰۲، فقه السنّة ۳۱۲/۱ـ۳۱۳ .

162)أبو داؤد ۴۵۸/۳، الفتح الربّانی ۱۰۲/۶، نیل الأوطار ۲۷۴/۳/۲ .

163) نیل الأوطار ۲۷۵/۳/۲،عون المعبود ۴۵۸/۳ . 164)بذل المجهود ۱۱۴/۶ـ۱۱۵ .

احناف کے نزدیک خطبہ کے دوران امام کیلئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سوا کوئی دوسری بات کرنا مکروہ تو ہے، لیکن اگر ہو جائے تو اُس سے اُن کے نزدیک بھی خطبہ فاسد نہیں ہوتا (164)

بوقتِ دعاء ہاتھ اٹھانا

صحیح مسلم،ترمذي،نسائي اور مسند أحمد میں ایک حدیث ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دورانِ خطبہ جو دعاء مانگی جاتی ہے، اسکے لئے امام کا ہاتھ اٹھانا مکروہ ہے، بلکہ دعاء کے وقت محض [دائیں ہاتھ کی] انگشتِ شہادت اٹھانا ہی کافی ومسنون ہے .(165)

صحیح بخاري ومسلم،أبو داؤد،نسائي،دار قطني،بیهقي،مسندأحمد اور مستدرك حاكم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعاء استسقاء کہ سوا ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔(166)

لیکن امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں نفی سے مراد دونوں ہاتھوں کو اٹھانے میں مبالغہ کی نفی ہے، ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا استسقاء کے علاوہ بھی ہاتھ اٹھانا ثابت ہے۔اور صحیحین یا اُن میں سے کسی ایک کی تیس (30) حدیثیں خود میں نے جمع کی ہیں ،جن سے مختلف مواقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اٹھانے کا پتہ چلتا ہے .(167)

احادیثِ استسقاء میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دورانِ خطبہ ہاتھ اٹھانے کے علاوہ نسائی شریف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی لوگوں کا ہاتھ اٹھانا بھی ثابت ہے .(168)

یہ واقعہ نمازِ استسقاء کا نہیں بلکہ خطبۂ جمعہ کے دوران بارش کی دعاء مانگنے کا واقعہ

---

165) نیل الأوطار ۲/۳/۲۷۰۔۲۷۱.　　166) الفتح الربّانی ۲۴۶/۶، نیل الأوطار ۲۷۱/۳/۲.

167) شرح مسلم نووی ۱۹۰/۶/۳، نصوصِ احادیث کیلئے المجموع شرح المهذّب، باب صفة الصلوٰة دیکھیں .　　168) فتح البارى ۵۰۳/۲.

ہے، جبکہ نمازیوں میں سے ایک شخص نے آپ ﷺ سے بارش کی دعاء کا مطالبہ کیا تھا۔

سخت ضرورت کے وقت نمازی کا بات کرنا

احادیث سے جہاں دورانِ خطبہ دعاء کیلئے خطیب اور نمازیوں کے ہاتھ اٹھانے کے جواز کا پتہ چلتا ہے، وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انتہائی شدید ضرورت کے موقع پر اگر کوئی نمازی خطیب سے ہمکلام ہو جائے تو اسکا جمعہ فاسد نہیں ہوگا .(169)

کیا خطبۂ جمعہ غیر عربی میں جائز ہے؟

خطبۂ جمعہ کیا صرف عربی زبان میں ہی ہونا ضروری ہے ؟ اس سلسلہ میں مذاہبِ اربعہ میں اختلاف ہے، جس کی تفصیل درجِ ذیل ہے :

''مالکیہ کے نزدیک خطبہ صرف عربی میں ہونا ضروری ہے، سننے والے خواہ عرب ہوں یا غیر عرب اور اگر کوئی بھی ایسا شخص نہ ملے، جو عربی میں خطبہ دے سکتا ہو تو وہاں کے لوگوں سے خطبہ ساقط ہو جائے گا ''

شافعیہ کے نزدیک اگر سننے والے عرب ہوں تو خطبہ کے اُرکان کا عربی میں ہونا ضروری ہے، لیکن اگر وہ غیر عرب ہوں تو اُرکانِ خطبہ کا عربی میں ہونا ضروری نہیں.

حنابلہ کے نزدیک اگر خطیب عربی میں خطبہ دینے کی قدرت رکھتا ہو تو عربی کے سوا کسی دوسری زبان میں خطبہ جائز نہیں، لیکن اگر وہ قدرت نہیں رکھتا تو کسی بھی دوسری زبان میں خطبہ دے سکتا ہے، خواہ سننے والے عرب ہوں یا غیر عرب.

احناف میں سے امام ابو حنیفہ کے شاگردان ،امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک خطبہ عربی میں دینا ہی ضروری ہے، البتہ امام ابو حنیفہ رحمہٗ اللہ کا قول ہی اصحّ الاقوال ہے کہ خطبہ غیر عربی کسی بھی زبان میں دیا جاسکتا ہے، اور شیخ الحدیث سیّد نذیر

---

169) فتح الباری ۲/۴۱۳، ۲/۴۱۵، ۵۰۶

حسین محدّث دہلوی اور دیگر علمائے حدیث کا بھی یہی فتوی ہے اور اِسی سے خطبہ کا مقصود [وعظ وتذکیر] متحقق ہوتا ہے .(170)

دورِ حاضر کے معروف مفتیِ عالمِ اسلام شیخ عبد العزیز بن باز نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے .

ایک سوال

اِس سلسلہ میں ہمارے استادِ گرامی شیخ الحدیث مولانا حافظ ثناء اللہ خان صاحب سے بھی سوال کیا گیا:

''کیا نمازِ جمعہ سے قبل وعظ ونصیحت، سیاسی گفتگو اور تقریر کو صحیح خطبۂ جمعہ قرار دینا کسی صحیح دلیل سے ثابت ہے''؟ جبکہ نبی ﷺ اور سلفِ صالحین امّت سے خطبۂ جمعہ صرف عربی زبان میں ثابت ہے، اپنی اپنی مختلف زبانوں میں خطبۂ جمعہ کیونکہ جائز وسنّت ہے؟ جبکہ پوری دنیا میں نماز صرف عربی میں ہوتی ہے، اسکے علاوہ جائز نہیں تو یہاں ردّ وبدل کس دلیل سے؟ بَیِّنُوا فَتُوْجَرُوا .

(اسامہ عثمان مدنی، شاہدرہ، لاہور)

الجواب بعون الوھّاب

اس پر انھوں نے جواب میں رقم فرمایا :''جمعہ کا خطبہ غیر عربی زبان میں دینا جائز و درست ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے :

(کَانَتْ لِلنَّبِيِّ ﷺ خُطْبَتَانِ یَجْلِسُ بَیْنَھُمَا یَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَیُذَکِّرُ النَّاسَ) .

''نبی ﷺ کے دو خطبے ہوتے تھے، ان کے درمیان بیٹھتے، ان میں آپ ﷺ قرآن مجید پڑھتے اور لوگوں کو وعظ ونصیحت فرماتے تھے''.

170) تفصیل کیلئے دیکھئے: فتاویٰ علمائے حدیث ۴/۸۲ـ۸۷، ۱۰۴، ۱۱۹، ۱۵۶، ۱۵۷ـ۱۶۳، عون المعبود، ۳/۴۴۴ـ۴۴۵، الفقه علیٰ المذاهب الأربعة ۱/۳۹۱ـ۳۹۲ .

ظاہر ہے کہ تذکیر اُسی زبان میں ہوگی جس کو سامع سمجھتا ہو، اسی حکمت و مصلحت کے پیش نظر اللہ عزّ وجلّ نے انبیاء علیہم السلام کو ہم زبان لوگوں میں مبعوث فرمایا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿وَ مَـا أَرْسَـلْنَـا مِـنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا بِلِسَـانِ قَوْمِـهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ﴾

[سورۂ ابراھیم : ۴].

''اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا، مگر اپنی قوم کی زبان بولتا تھا، تاکہ انھیں [احکامِ الٰہی] کھول کھول کر بتادے''.

مزید آنکہ لفظِ خطبہ بھی خطاب کا متقاضی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ خطیب کے بالمقابل ایسے لوگ ہونے چاہئیں ، جو اس کی بات اور گفتگو کا اِدراک وشعور رکھتے ہوں ، ورنہ ساری بات چیت لاحاصل اور بے فائدہ اور جانور کے گلے میں ڈھول لٹکانے کے مترادف ہے، یہ اسی صورت میں ممکن ہے، جب خطیب مقامی لوگوں کی زبان کو محورِ گفتگو بنائے ، یہی وجہ ہے کہ کسی بھی فرد کا تصوّرِ خطبہ بلا سامع ناممکن ہے، اِس خطبہ میں بھی نمازیوں کی وہی شرط ہے، جو اقامتِ جماعت میں ہے:

(اَلِاثْنَانِ فَمَا فَوْقَهُمَا جَمَاعَةٌ) ''دو فما فوق جماعت ہے''.

بالفرض اگر کوئی خطیب اپنے سامنے چوپائے باندھ کر جوہرِ خطابت دکھا تا رہے تو اس کا نام خطبہ نہیں رکھا جا سکتا کیونکہ فہم مقصود ہے، پھر حالتِ خطبہ میں نبی ﷺ کے صفات میں وارد ہے: آواز بلند ہو جاتی ،غصّہ سخت ہو جاتا، آنکھیں سُرخ ہو جاتیں، گویا آپ ﷺ فوج کو دشمن سے ڈرانے والے ہیں، یہ اُس صورت میں ہوتا ہے جب خطیب کی توجہ کا مرکز سامعین ہی ہوں، نیز خطبۂ جمعہ کو نماز پر قیاس کرنا بھی صحیح نہیں کہ جیسے نماز بغیر عربی کے نہیں پڑھی جاسکتی، اِسی طرح خطبہ بھی بلا عربی نہیں ہونا چاہیئے .

اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز میں مناجات مقصود ہے، جبکہ خطبہ تذکیر کیلئے ہوتا ہے
،صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے جسمیں ارشادِ نبوی ﷺ ہے :

(اِنَّ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ لَایَصِحُّ فِیْهَا مِنْ کَلَامِ النَّاسِ، اِنَّمَا هِيَ التَّسْبِیْحُ وَالتَّکْبِیْرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ) .

''نماز میں بات چیت درست نہیں، کیونکہ نماز صرف تسبیح ،تکبیر اور قراءتِ قرآن کا نام ہے''.

باقی رہا سلف صالحین کا عمل، سواس بات کے بارے میں عرض ہے کہ سلف میں مختلف قسم کے نظریئے پائے جاتے ہیں، بعض عدمِ جواز کے قائل ہیں، اور اگر بالفرض عمل نہ بھی ہوتو بھی کوئی حرج نہیں، اسکے نظائر موجود ہیں مثلاً خیر القرون کی جملہ تصانیف بزبانِ عربی تھیں، مدّت بعد یہ سلسلہ مختلف زبانوں میں منتقل ہو گیا، حتیٰ کہ کلامِ الٰہی کے تراجم وتفاسیر غیر عربی میں ہونے لگ گئے، لہٰذا دلائل کا اصل محور کتاب وسنّت ہے نہ کہ عملِ عامل، سواس کی وضاحت ہو چکی، مزید آنکہ اس کے کچھ عوامل بھی ہوسکتے ہیں، مثلاً:

اسلامی سلطنت کے غلبہ کی وجہ سے لوگوں نے زیادہ تر عربی زبان ہی اختیار کر لی تھی یا کم از کم اگر نطق نہیں تو فہم ضرور رکھتے تھے، اِس بناء پر سلف نے غیر عربی میں تالیفات کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی، یہی وجہ خطبۂ جمعہ کی بھی ہوسکتی ہے.

اس زمانے میں امامِ جمعہ چونکہ امراء ہوتے تھے، ممکن ہے ان کے خیال میں بہتر یا ضروری خطبہ عربی میں ہو، اور جس کے نزدیک مخاطَب کا لحاظ ضروری ہے، اُن کو امارت کا اتفاق نہ ہوسکا ہو .

عربی زبان کا تحفظ مقصود تھا، کہیں غیر زبانوں سے مل کر اپنا مقام نہ کھو جائے اور جب قواعد وضوابط تالیفی شکل میں منضبط ہو گئے تو اجازت کی صورت نکل آئی .(171)

171) ہفت روزہ ''الاعتصام''، لاہور، ۸۔نومبر ۱۹۹۱ء .

جمعہ کے دو خطبے یا تین؟

حکیم محمد شوکت صاحب کا لکھا ہوا اور ہندوستان سے شائع شدہ ایک رسالہ نظر سے گزرا ہے، اس میں انھوں نے لکھا ہے :

''ہر زبان میں خطبہ دے سکتے ہیں ، یاد رکھیئے اُردو میں ہی نہیں بلکہ ہر زبان میں خطبہ دیا جاسکتا ہے، جہاں جس زبان کے جاننے والے ہوں ، یاد رکھیئے آنحضرت ﷺ منبر سے جمعہ کے دو ہی خطبے دیا کرتے تھے، جن میں مسائل و حِکم اور احکامِ حلال وحرام سب ہی سمجھاتے تھے .لوگوں کو جنگ پر مستعد کرتے ، جہاد پر رغبت دلاتے ، بارش کیلیئے دعا کرنے کی التجا پر دعاء فرماتے تھے، حتیٰ کہ سائلین کے جوابات بھی منبر پر ہوتے تھے .البتہ ایک خطبہ کے ختم پر منبر پر بیٹھنے پر اٹھ کر دوسرا خطبہ دیتے تھے، چاروں خلیفوں اور اماموں کا یہی طریقہ رہا، اس طرح تین خطبے سنانا رسولِ اکرم ﷺ کے حکم وعمل کے خلاف کرنا ہے، منبر پر نیچے کھڑے ہوکر وعظ یا خطبۂ جمعہ سے قبل کچھ سنانا، دین میں نئی بات پیدا کرنا ہے، دین میں نئی بات پیدا کرنے کو بدعت کہتے ہیں''

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

(كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌوَ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ).

''ہر نئی بات [جو دین میں نکالی جائے] بدعت ہے، ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے''.

ہم اُس وقت تک ہی اہلِ سنّت والجماعت کہلا سکتے ہیں جب تک کہ ہم اُمّی معصوم ﷺ کی اتباع کریں، آپ ﷺ کے نقشِ قدم پر چلیں، آپ ﷺ کے طریقہ کو اپنائیں، ورنہ ہمیں یہ حق نہیں کہ اہلسنّت والجماعت کہلائیں، اسی لئے ہم سے بڑی عقل رکھنے والے ہم سے زیادہ دین کی باریکیوں کو جاننے والے ہمارے امام ابو

حنیفہ رحمہٗ اللہ کی رائے یہ ہے :

(يَجُوْزُ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ بِغَيْرِ الْعَرَبِيَّةِ لِلْقَادِرِ وَ الْعَاجِزِ كِلَيْهِمَا) .(172).

''جائز ہے ابوحنیفہ رحمہٗ اللہ کے نزدیک [خطیب]عربی زبان پر قادر ہو یا نہ ہو، ہر دو حالتوں میں کسی اَور زبان میں خطبہ دے سکتا ہے ''.

اور سنیئے فرماتے ہیں :

(فَإِنْ كَانَ السَّامِعُوْنَ أَعْجَمِيُّوْنَ يُتَرْجِمُ بِلِسَانِهِمْ) .(173)

''سننے والے عربی زبان نہ جاننے والے ہوں تو خطیب ان کی زبان میں خطبہ کا ترجمہ کردے ''.

اسی طرح سیّد نذیر حسین صاحب رحمہٗ اللہ دہلوی فتاویٰ نذیریہ میں فرماتے ہیں کہ:

'' خطبہ کا ترجمہ کہنا درست ہے۔ جلد اوّل ص:۳۷۱ میں ترجمہ سنانا ضروری لکھا ہے۔ اِسی طرح محیط میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک فارسی میں خطبہ پڑھنا جائز ہے''.

مقبولِ عام کتبِ فقہ

حکیم محمد شوکت صاحب مزید لکھتے ہیں:

''ہدایۃ ، شامی، درّ مختار اور محیط ،اِن تمام کتبِ فقہ سے ہی ثابت ہے کہ حاضرین کی زبان میں خطبہ دیا جائے ،خطبہ کا ترجمہ سنایا جائے ،ہمیں دین کے معاملہ میں ضد نہیں کرنی چاہیئے ،یہی کیا کچھ کم برائی ہے کہ ہم آقائے نامدار ﷺ کے خطبہ وطریقہ کے خلاف تین خطبہ دینے پر تلے ہوئے ہیں،غور فرمایئے مقابلہ کس سے ہو رہا ہے، کیا ہم دو کی بجائے تین خطبے نبی ﷺ کے

172)جامع المضمرات اور مجتبیٰ بحوالہ رسالہ مذکورہ .

173)عون المعبود .

حکم کے خلاف دیگر مسلمان رہ سکتے ہیں؟ اپنے امامِ عالی مقام کے مقابلہ میں اپنی ہی رٹ لگا کر حاضرین کی زبان میں خطبہ کب تک نہیں دیں گے؟ کس کے حکم کی خلاف ورزی کر رہے ہو؟ ذرا غور تو کرو، کاش ہمارے خطیب امام اعظم رحمۂ اللہ کے حکم کو مذکورہ فقہ کی کتابوں میں دیکھ کر ہی حاضرین کی زبان میں خطبہ دیں تو ایک بدعت، تین خطبوں کی مر جائے گی [ختم ہو جائیگی] اور صحیح حدیث صرف دو خطبے دینے کی زندہ ہو جائے گی۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ خطبہ حاضرین کی زبان میں نہ ہو، یا ترجمہ سنانا کہنا، یہ اپنی کم علمی کی دلیل کے ساتھ ہی امامِ اعظم رحمۂ اللہ اور دیگر بزرگانِ دین پر انگلی اٹھانا ہے ''

واقعی یہ تین خطبے بدعت ہی ہیں ہمیں اللہ اور اُسکے رسول اُمّی معصوم ﷺ کے حکم وطریقہ پر عمل پیرا ہونا چاہیئے ، اِسی میں ہمارے دین کی سلامتی و بھلائی ہے، بیشک جمعہ کے خطبہ سے قبل اُردو میں منبر سے نیچے کھڑے ہو کر خطبہ ہو یا وعظ کہنا دین میں نئی بات [بدعت] پیدا کرنا ہے۔ یہی مسائل خطبہ میں بیان ہو سکتے ہیں، اس سے ایک تو نبی ﷺ کی مخالفت نہیں ہوتی، دوسرے وقت کی بچت اور صحیح حکم و احکام کی پابندی ہوتی ہے، ساتھ ہی اپنے امام اور بزرگانِ دین کے اِرشادات کی بھی، جبکہ وہ نبی اکرم ﷺ کے منشاء کے عین مطابق ہیں، جن سے کتبِ فقہ بھی بالکل متفق ہیں، ایسی صورت میں معمولی سمجھ بوجھ کا ہر شخص سرِ تسلیم خم کرے گا.

اللہ ہم سب کو نیک توفیق عطا فرمائے .آمین .(174)

174) رسالہ ''امام اعظم اور خطبۂ جمعہ'' اور ''جمعہ کے دو خطبے یا تین؟'' ، از حکیم محمد شوکت علی ص: ۵۔۷

نمازِ جمعہ کی فرض رکعتیں

نمازِ جمعہ کی صرف دو رکعتیں فرض ہیں، جیسا کہ سنن نسائي میں حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نمازِ عید الاضحیٰ، نمازِ عید الفطر، نمازِ سفر یا قصر اور نمازِ جمعہ کی دو دو رکعتیں ہیں ۔(175)

رکعاتِ جمعہ میں قراءت

اس بات پر پوری امّتِ اسلامیہ کا اتفاق ہے کہ اِن دونوں رکعتوں کی قراءت بھی [فجر اور مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعتوں کی طرح] جَہری و بآوازِ بلند ہے اور یوں تو اِن دونوں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی بھی سورت یا قرآن کا کوئی بھی حصّہ پڑھا جا سکتا ہے، لیکن مستحب یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْأَعْلَیٰ﴾ اور دوسری رکعت میں سورۂ غاشیہ ﴿هَلْ أَتَاکَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ﴾ پڑھی جائیں، کیونکہ صحیح مسلم و أبو داؤد، ترمذي، ابنِ ماجة اور مسند أحمد میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ کی نماز میں سورۂ اعلیٰ اور سورۂ غاشیہ پڑھا کرتے تھے ۔(176)

اِنہی مذکورہ کتبِ حدیث میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی دوسری روایت میں عیدین کا ذکر تو نہیں، البتہ یہ صراحت موجود ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری میں سورۂ غاشیہ پڑھا کرتے تھے ۔(177)

أبو داؤد، ترمذي، ابنِ ماجة اور مسند أحمد میں حضرت عبد اللہ بن رافع رحمہٗ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ مروان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منوّرہ کا حاکم

---

175)جامع الأصول لِابن الاثیر ۶/۱۳۲.

176)مسلم ۳/۶/۱۶۷، أبو داؤد ۳/۴۷۲، ترمذی ۳/۵۵، الفتح الربّانی ۶/۱۱۲.

177)مسلم ۳/۶/۱۶۷، أبو داؤد ۳/۴۶۴، الفتح الربّانی ۶/۱۱۲.

مقرر کیا اور خود مکہ مکرمہ چلا گیا، انھوں نے جمعہ کی پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری میں ﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ﴾ [سورت:٦٣] پڑھی، میں نے نماز کے بعد اُن سے کہا کہ آپ نے نماز میں وہی دوسورتیں پڑھی ہیں جو کوفہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پڑھا کرتے تھے، تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں نے خود نبی اکرم ﷺ کو جمعہ کے روز یہ دوسورتیں پڑھتے سُنا ہے''. (178)

اِن احادیث میں مذکور ترتیب وار سورتوں کو پڑھا جائے تو مستحب ہے، ورنہ کوئی بھی سورت اور قرآن کریم کا کوئی بھی حصّہ پڑھا جاسکتا ہے .

فجرِ جمعہ میں قراءت

اِسی طرح جمعہ کے دن نمازِ فجر میں پڑھی جانے والی سورتوں کا ذکر بھی کتبِ حدیث میں موجود ہے، چنانچہ مسلم،أبو داؤد،نسائي اور مسندأحمد میں حضرت عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ''جمعہ کے روز فجر کی نماز میں نبی اکرم ﷺ سورۃ السجدۃ ﴿الٓمٓ تَنْزِيلُ﴾ اور سورۃ الدّهر ﴿هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ﴾ اور جمعہ کی نماز میں سورۃ الجمعۃ و سورۃ المنافقون پڑھا کرتے تھے''. (179)

صحيح بخاري،مسلم،ترمذي،نسائي،ابنِ ماجة اور مسند أحمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جمعہ کے روز صبح کی نماز میں نبی ﷺ ﴿الٓمٓ تَنْزِيلُ﴾ اور ﴿هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنْسَانِ﴾ پڑھا کرتے تھے. (180)

لہٰذا اگر اِن سورتوں کا خیال رکھا جاسکے تو یہ مستحب ہے .

حصولِ جمعہ کی شرط

کبھی ایسی صورت بھی پیش آسکتی ہے کہ نمازی کسی وجہ سے اتنا تاخیر سے آتا ہے

178) مسلم ٣/٦/١٦٦،أبو داؤد ٣/٤٧٤، ترمذی ٣/٥٤،الفتح الربّانی ٦/١١٢.

179) مسلم ٣/٦/١٦٨،الفتح الربّانی ٦/١١. 180) بخاری ٢/٣٧٧، مسلم ٣/٦/٢٨ ترمذی ٣/٥٦

کہ خطبہ پورا ہی ختم ہو چکا ہوتا ہے، اور نمازِ جمعہ کی جماعت کھڑی ہوتی ہے، اُس نماز کا کتنا حصہ ملے تو نمازِ جمعہ مل جاتی ہے؟ اس سلسلہ میں اہلِ علم کی دو الگ الگ آراء ہیں .

امام احمد، شافعی اور مالک رحمہم اللہ سمیت جمہور علماءِ امّت کی رائے یہ ہے کہ جو شخص جمعہ کی کم از کم ایک رکعت پالے وہ تو صرف ایک رکعت کھڑے ہو کر اور پڑھ لے، اُسے جمعہ کی نماز مل گئی اور اگر دوسری رکعت نہ ملے بلکہ محض سجود وتشہّد میں ہی مل پائے تو وہ امام کے سلام پھیرنے کی بعد چار رکعتیں پڑھے، کیونکہ انکے نزدیک اُسے جمعہ کی نماز نہیں ملی، اور اُس کی یہ نمازِ ظہر ہوگی ،سفیان ثوری، ابن المبارک، اسحاق بن راہو یہ رحمہم اللہ اور امام ترمذی رحمہٗ اللہ کے بقول اکثر صحابہ کا بھی یہی مسلک ہے، اور ان سب کا استدلال صحیح بخاري و مسلم، أبو داؤد، ترمذي، نسائي، ابنِ ماجة اور دیگر کتبِ حدیث میں مروی اِس اِرشادِ نبوی ﷺ سے ہے :

(مَنْ أَدْرَکَ مِنَ الصَّلٰوۃِ رَکْعَةً فَقَدْ أَدْرَکَ الصَّلٰوۃَ) .(181)

''جس نے نماز کی ایک رکعت پالی اُس نے وہ نماز پالی'' .

اِس سلسلہ میں دوسرا مسلک یہ ہے کہ نمازِ باجماعت کا چاہے کوئی بھی حصّہ پالے تو اُسے وہ جماعت مل گئی، امام کے سلام پھیرنے کے بعد وہ صرف دو رکعتوں کو ہی مکمل کرے گا، اور یہ امام ابوحنیفہ رحمہٗ اللہ اور علمائے حدیث کا مسلک ہے .

ان کا استدلال صحیحین و سننِ أربعة اور مسند أحمد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اُس اِرشادِ نبوی ﷺ سے ہے جس میں آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب اِقامت ہو جائے، تب بھی نماز کی طرف بھاگ کر نہ آؤ بلکہ آرام وسکون سے آؤ :

(فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَ مَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوْا) .(182)

---

181)ترمذی ۶۱/۳ ، الفتح الربّانی ۱۰۷/۶۔۱۰۸ .

182)بحوالہ صحیح الجامع الصغیر للالبانی: ۴۵۶۰،۳۶۹ .

''تمہیں جماعت کا جو حصّہ مل جائے وہ [امام کے ساتھ] پڑھ لو اور جو حصّہ
فوت ہو جائے اُسے بعد میں پورا کرلو''

اس میں جمعہ کی نماز و جماعت بھی شامل ہے،علاّمہ عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہٗ اللہ ترمذی شریف کی شرح تحفة الأحوذي میں لکھتے ہیں کہ پہلے مسلک والوں کے پاس کوئی صحیح وصریح دلیل نہیں اور میرے نزدیک زیادہ صحیح مسلک وہی ہے جو امام ابو حنیفہ رحمہٗ اللہ کا ہے کہ نمازی چاہے تشہّد میں ہی کیوں نہ آملے،اُسے صرف دو رکعتیں جمعہ کی ہی مکمل کرنا ہونگی، کیونکہ یہ ارشادِ نبوی ﷺ مطلق ہے کہ تمہیں جماعت کا جو حصّہ مل جائے اُسے پڑھ لو اور جو رہ جائے اُسے [بعد میں اٹھ کر] مکمل کرلو .(183)

اگر آدمی کی نمازِ جمعہ فوت ہو جائے تو جمعہ ہی کی نماز پڑھے یا ظہر کی؟

اب رہی یہ بات کہ اگر کسی کی نمازِ جمعہ فوت ہو جائے تو جمعہ ہی کی نماز پڑھے یا ظہر کی؟اس سلسلہ میں ایک سوال حضرت العلاّم حافظ عبداللہ محدّث روپڑی سے کیا گیا جو جواب سمیت افادۂ عام کیلئے درجِ ذیل ہے:

ایک سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عِظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کی اگر نمازِ جمعہ فوت ہو جائے تو کیا اس صورت میں وہ جمعہ ہی کی نماز پڑھے گا یا ظہر کی نماز ادا کرے گا؟فتویٰ شائع فرما کر مشکور ہوں

(محمد ایوب صابر،ریناله خورد)

183 تحفة الأحوذی ٣/٦١ـ٦٣، الفتح الربّانی ٦/١٠٩ـ١١٠.

الجواب بعون الوھّاب

اس مسئلہ میں ائمہ اسلام مختلف ہیں، امام شافعی،عبداللہ بن مبارک، امام سفیان ثوری، امام احمد، امام اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ وغیرھم فرماتے ہیں کہ اگر مسبوق رکعتِ کاملہ امام کے ساتھ پالے تو دوسری رکعت پڑھ لے، اُس کا جمعہ ہو گیا، اور اگر رکعت سے کم حصّہ پائے یعنی دونوں رکعتوں کے ہوجانے کے بعد آیا ہے اور محض سجود یا تشہّد ہی میں ملا ہے، تو اُس کا جمعہ رہ گیا، وہ ظہر کی نیّت کر کے امام کے ساتھ ملے .

امام ابوحنیفہؒ رحمہ اللہ اور ان کی اتباع کرنے والے فرماتے ہیں کہ سلام پھیرنے سے پہلے ملنے والا بھی جمعہ ہی پڑھے، یعنی رکعتِ کاملہ امام کے ساتھ پائے یا رکعت کے اجزاء میں ملے، دونوں صورتوں میں جمعہ کی نیّت کرے .

میرے فہمِ ناقص میں از روئے دلائل امام احمد و امام شافعی رحمہما اللہ وغیرھما کا مسلک صحیح اور راجح ہے اور اِس کی تین وجہیں ہیں :

پہلی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت اِسی طرف گئی ہے، چنانچہ شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں :

(إِنَّ الْجُمُعَةَ لَاتُدْرَكُ إِلَّا بِرَكْعَةٍ كَمَا أَفْتَىٰ بِهِ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، مِنْهُمْ اِبْنُ عُمَرَ وَابْنُ مَسْعُوْدٍ وَأَنَسٌ وَغَيْرُهُمْ وَلَا يُعْلَمُ لَهُمْ فِي الصَّحَابَةِ مُخَالِفٌ وَ قَدْ حَكَىٰ غَيْرُ وَاحِدٍ أَنَّ ذَالِكَ اِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ).(184)

''جمعہ کم از کم ایک رکعت پانے سے مل سکتا ہے، جیسے صحابہؓ نے اس کا فتویٰ دیا ہے جن میں سے ابنِ عمر، ابنِ مسعود، انسؓ وغیرہ ہیں، صحابہؓ میں اِن کا مخالف

---

184) فتاویٰ ابنِ تیمیة .

کوئی معلوم نہیں،اور کئی علماء نے اِس پر اجماعِ صحابہؓ نقل کیا ہے ''.

دوسری وجہ یہ ہے کہ کئی ایک حدیثوں میں صاف وصریح وارد ہے :

(مَنْ أَدْرَکَ رَکْعَةً مِّنْ صَلٰوةِ الْجُمُعَةِ وَغَيْرِهَا فَلْيُضِفْ اِلَيْهَا أُخْرٰى،فَقَدْ تَمَّتْ صَلٰوتُهُ) .(185)

''جو جمعہ وغیرہ کی ایک رکعت پالے،وہ اُس کے ساتھ دوسری رکعت ملالے، اور اُس کی نماز پوری ہوگئی''.

یہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیثیں کئی طریق سے مروی ہیں،اوراگر چہ یہ سب حدیثیں ضعیف ہیں،جیسا کہ حافظ ابنِ حجر نے تلخیص الحبیر میں کہاہے،مگران کی تائید حدیث کے اُس بہت عمدہ طریق سے ہوسکتی ہے، جس میں ہے :

(مَنْ أَدْرَکَ رَکْعَةً مِّنَ الصَّلٰوةِ فَقَدْ أَدْرَکَ الصَّلٰوةَ) .(186)

''جوایک رکعت پالے،اُس نے نماز پالی''.

تیسری وجہ یہ ہے کہ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا :

(مَنْ أَدْرَکَ رَکْعَةً مِّنَ الصَّلٰوةِ مَعَ الْاِمَامِ فَقَدْ أَدْرَکَ الصَّلٰوةَ" (187)

''جوامام کے ساتھ ایک رکعت پالے اُس نے نماز پالی''

اِسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیاہے،جبکہ امام ابن تیمیہ نے کہاہے: یہ حدیث صحیحین کی ہے اور لکھاہے:

''یہ حدیث اِس نزاع کوختم کرنے والی ہے''.

فرضوں کے بعد کی سنتیں

نمازِ جمعہ کے فرضوں کے بعد جومؤکّدہ سنتیں ہیں،اُنکے بارے میں دوقسم کی

185)نسائی،ابنِ ماجۃ ، دار قطنی . 186)متفق علیہ ، تلخیص الحبیر . 187)صحیح مسلم .

حدیثیں ہیں .

پہلی یہ کہ جمعہ کے فرضوں سے فارغ ہوکر ذکرواذکار کے بعد گھر چلا جائے اور صرف دوسنتیں پڑھ لے،جیسا کہ بخاري و مسلم،سننِ أربعة اور مسندأحمد میں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

(كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْ بَعْدَ الْجُمُعَةِ رَكْعَتَيْنِ فِيْ بَيْتِهٖ) .(188)

''نبی ﷺ جمعہ کے بعد گھر جا کر دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے''.

دوسری حدیث صحیح مسلم،سننِ أربعة اور مسندأحمد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں اِرشادِ نبوی ﷺ ہے :

(إِذَا صَلَّىٰ أَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيُصَلِّ بَعْدَهَا أَرْبَعاً) .(189)

'' تم میں سے جب کوئی شخص جمعہ پڑھ چکے تو اُسے چاہیئے کہ چار رکعتیں پڑھے''.

اِن دونوں میں سے پہلی فعلی اور دوسری قولی حدیث ہے اور دونوں ہی صحیح ہیں اور اِن دونوں کو جمع کرتے ہوئے شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر گھر میں آکر پڑھے تو دو رکعتیں پڑھ لے اور اگر مسجد میں ہی پڑھے تو چار پڑھے .(190)

اِن میں سے کسی بھی ایک حدیث پر عمل کیا جا سکتا ہے،دو والی پر،یا چار والی پر جبکہ حضرت علی،ابنِ عمر،ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم اور عطاء،ثوری،ابو یوسف رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ پہلے دو رکعتیں اور پھر چار رکعتیں پڑھ لے،لیکن یہ مسلک کسی صریح حدیث سے ثابت نہیں .(191)

---

188)بخاری ۴۲۵/۳، مسلم ۱۶۹/۶/۳،۱۷۰، الفتح الربّانی ۱۱۴/۶ .

189)صحیح مسلم ۱۶۸/۶/۳_۱۶۹،الفتح الربّانی ۱۱۵/۶ .

190)فقه السنّة ۳۱۵/۱، زاد المعاد ۴۴۰/۱ .   191) الفتح الربّانی ۱۱۷/۶

امام نووی رحمہٗ اللہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کے بعد کم از کم دو رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ چار ہیں۔ (192)

چار رکعتیں کیسے؟

چار رکعتیں پڑھنے والے کیلئے جائز تو دونوں طرح ہی ہے کہ چاہے تو انھیں ایک ہی سلام سے پڑھ لے، یا چاہے تو دو دو رکعتیں کر کے دو سلاموں سے پڑھ لے، امام شافعی اور جمہور کا مسلک دو سلاموں والا اور احناف کا ایک سلام والا ہے، اور امام شوکانی رحمہٗ اللہ نے احناف کے مسلک کو اظہر [راجح] قرار دیا ہے، جبکہ جمہور کا مسلک اَحوط [زیادہ قرینِ احتیاط] ہے تاکہ لوگوں میں سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ یہ ظہر احتیاطی کے چار فرض پڑھ رہا ہے۔

غرض چار رکعتیں پڑھنا افضل اور دو پڑھنا جائز ہے۔(193)

اجتماعِ عید و جمعہ

مسائلِ عیدین سے ہی ایک موضوع ہے ''عید و جمعہ کا ایک ہی دن میں جمع ہو جانا''، اور پھر اِس موضوع کے بھی دو پہلو ہیں :

اولاً : اگر کبھی اتفاق سے عید و جمعہ ایک ہی دن آجائیں تو اُسکے بارے میں مشہور کی گئی ایک افواہ اور اُسکی اصل حقیقت۔

ثانیاً : جب کبھی ایسا ہو جائے تو احکامِ جمعہ میں تغیر و تبدیلی اور آئمہ وفقہاء کے نظریات

ایک افواہ اور اس کی حقیقت

صرف عوام النّاس کی حد تک ہی نہیں، روزناموں کے بعض مستقل کالم نگار حضرات پر بھی اُنکے ماحول کا اثر ہے اور وہ بھی علمِ دین کی صحیح واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے اِس افواہ

192) شرح مسلم ۳/۶/۱۶۹۔ 193) نیل الأوطار ۲/۳/۲۸۱۔

کو کسی نہ کسی رنگ میں اپنے کالموں کی زینت بنادیتے ہیں . وہ افواہ کیا ہے ؟

کہا جاتا ہے کہ اگر عید، جمعہ کے دن آجائے اور جمعہ کے دن دو خطبے :خطبۂ عید اور خطبۂ جمعہ ہوں تو یہ حکمران کیلئے باعثِ زوال اور قوم و ملک کیلئے [بھاری] ہوتے ہیں، یہ عقیدہ خالص جاہلانہ نظریہ اور محض اوہام پرستی ہے، اس کا حقیقت سے کوئی تعلّق اور دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے، اور بعض لوگ کسی بات کے مشہور ہوجانے اور اُسے اکثر لوگوں کے مان لینے سے مرعوب ہوجاتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ یہ سب لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں، ٹھیک ہی ہوگا، حالانکہ اسلام میں کسی کام یا بات کے ٹھیک ہونے یا نادرست ہونے کا معیار لوگوں کی زبان یا آوازۂ خلق نہیں بلکہ کتاب وسنّت ہے۔ اگر ایک بات کو لوگوں کی اکثریّت اپنا لیتی ہے، جبکہ وہ قرآن وسنّت کی تعلیمات کے خلاف ہے تو وہ ہرگز درست نہیں۔

ایسے ہی ایک بات قرآن وسنّت سے تو ثابت ہے، لیکن لوگوں کی اکثریّت اس کی منکر و تارک ہو تو اِس سے کچھ فرق نہیں پڑتا اور اس بات کے درست ہونے میں کتاب وسنّت کا ماننے والا کوئی بھی مسلمان ہرگز کسی شک وشبہ کا شکار نہیں ہوتا.

اِسی طرح جرائد ومجلّات میں جو مواد شائع ہوتا رہتا ہے، اُس کے ساتھ اگر کوئی شرعی سند نہ ہو تو محض اخبارات میں شائع ہوجانے سے کوئی بات درست ثابت نہیں ہوجاتی مسائلِ دین کے بارے میں اس بنیادی اصول کے پیشِ نظر عید کے بروزِ جمعہ آجانے اور ایک ہی دن میں دو خطبے ہونے کو حکمرانوں کے زوال کا باعث اور قوم و ملک کیلئے [بھاری] کہے جانے کی افواہ بھی توہّم پرستی اور ''عوامی ذہن'' کی پیداوار ہے، قرآن وسنّت سے ایسی باتوں کا کوئی ثبوت نہیں ملتا.

ویسے عقلی نقطۂ نظر سے بھی یہ بات عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ ایک طرف ہم

جمعہ کے دن کوخیر و برکت کا دن کہتے ہیں، اِسی طرح ہم عید کے دن کوبھی مبارک سمجھتے ہیں، اور عید مبارک کہتے ہیں، مگر جب یہ دونوں برکتیں ایک ہی دن میں جمع ہو جائیں تو خوشی دوبالا ہونی چاہیئے تھی مگر توہّم پرستوں کے چہرے اتر جاتے ہیں اور وہ اُسے باعثِ نحوست و مصیبت سمجھنے لگتے ہیں، حالانکہ اچھے کام جتنے زیادہ ہوں گے، خیر و برکت میں بھی اُتنا ہی اِضافہ ہوگا، نہ کہ قوموں اور حکمرانوں کیلئے باعثِ زوال.

یہ سب لا یعنی عقائد اور فضول قسم کے نظریات ہیں، جو تعلیماتِ دین سے نا آشنائی اور جہالت کا نتیجہ ہیں۔ اس سلسلہ میں ہمارے فاضل دوست جناب مولانا محمود احمد میر پوری رحمہُ اللہ نے بھی اپنے ماہنامہ ’’صراطِ مستقیم‘‘، برمنگھم کے کسی قاری کے سوال پر جواباً بڑا اچھا تلا فتویٰ لکھا تھا، ہم نے اُس سے بھی استفادہ کیا ہے.(194)

غرض دین میں اس بات کا کوئی تصوّر نہیں پایا جاتا، بلکہ اس کے برعکس خود نبی اکرم ﷺ کے عہدِ مسعود میں جمعہ اور عید ایک ساتھ آئے، جیسا کہ أبو داؤد، نسائي، ابنِ ماجة، ابنِ خذيمة، بيهقى، مسند أحمد اور مستدرك حاکم میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے :

(([وَ سَأَلَهُ مُعَاوِيَةُ] :هَلْ شَهِدْتَّ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عِيْدَيْنِ اِجْتَمِعَا ؟قَالَ : نَعَمْ ، صَلَّ الْعِيْدَ أَوَّلَ النَّهَارِ ثُمَّ رَخَّصَ فِي الْجُمُعَةِ) .(195)

’’اُن سے حضرت امیر معاویہؓ نے پوچھا: کیا تم نے ایسا پایا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے عہدِ مسعود میں کبھی دو عیدیں [عید و جمعہ] اکٹھے ہوئے ہوں؟ انھوں نے کہا: ہاں، آپ ﷺ نے دن کے شروع میں نمازِ عید پڑھائی اور جمعہ کی

194) دیکھیئے ’’صراط مستقیم‘‘، برمنگھم جلد ۱۰ شمارہ ۱۲ .

195) بحوالہ الفتح الربّانی ۳۲/۶ المنتقیٰ ۲/ ۲۸۲/۴ ،فقه السنّة ۳۱۶/۱ .

رخصت دے دی''۔

امام شوکانی نے نیل الاوطار میں لکھا ہے کہ اِس حدیث کی سند میں ایک راوی اِیاس بن ابو رملہ مجہول ہے، البتہ امام علی بن مدینی نے اِس حدیث کو صحیح کہا ہے .(196)

اِس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ نبی ﷺ نے ایسی کوئی بات ارشاد نہیں فرمائی کہ عید و جمعہ کا اکٹھا ہو جانا خطرناک اور باعثِ نحوست ہے، بلکہ أبو داؤد، ابن ماجۃ اور مستدرك حاکم میں حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ایک حدیث ہے، جس کی سند میں ایک راوی بقیّہ بن ولید ہے، امام احمد بن حنبل اور امام دار قطنی نے اس حدیث کو مرسل کی حیثیت سے صحیح قرار دیا ہے، اور امام بیہقی نے اسے موصولاً روایت کیا ہے، اور جمعہ کی رخصت کو ''عوالی مدینہ'' کے لوگوں کے ساتھ خاص بیان کیا، لیکن اِس کی سند ضعیف ہے .(197)

اِس حدیثِ ابی ہریرہ ؓ میں ہے کہ نبی ﷺ نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

(قَدْ اجْتَمَعَ فِيْ يَوْمِكُمْ هَذَا عِيْدَانِ ...الخ) .(198)

''آج تمہارے لئے دو عیدیں [یعنی دو خوشیاں] جمع ہوگئی ہیں''.

اِس حدیث شریف کی رو سے تو جمعہ و عید کے اکٹھے ہو جانے کو دو خوشیوں کا اجتماع قرار دیا گیا ہے، اور یہ لوگ ایسے میں پریشان ہو جائیں کہ نہ معلوم کون سی قیامت ٹوٹ پڑے گی؟ تو یہ کہاں کی حبِ رسول ﷺ ہے؟

ایسے ہی صحیح بخاري شریف میں بھی مذکور ہے کہ حضرت عثمانِ غنی ؓ کے

196) النیل ۲/۴/۲۸۲. 197) از افاداتِ امام الشوکانی

198) حوالہ جات سابقہ و الفتح الربانی ۶/۳۴.

عہدِ خلافت میں عید و جمعہ اکٹھے آ گئے تو انھوں نے بھی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

(يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ هَذَا يَوْمٌ قَدْ اجْتَمَعَ لَكُمْ فِيهِ عِيْدَان) .(199)

''اے لوگو! آج وہ مبارک دن ہے کہ جس میں تمہاری دو عیدیں جمع ہو گئی ہیں''

بخاری شریف کے الفاظ میں اِس بات کی صراحت نہیں کہ وہ عید کون سی تھی؟ البتہ حافظ ابنِ حجر رحمہٗ اللہ نے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ وہ عید الاضحیٰ تھی۔

اِسی طرح ہی أبو داؤد و نسائي میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے عہد میں جمعہ اور عید الفطر اکٹھے آ گئے تو انھوں نے بھی [خطبۂ عید میں خوشی کا اظہار کرتے ہوئے] فرمایا:

(عِيْدَانِ اِجْتَمَعَا فِيْ يَوْمٍ وَاحِدٍ) . (200)

''ایک ہی دن میں دو عیدیں جمع ہو گئی ہیں''.

جمعہ کو عید کا نام بھی اِن احادیثِ بالا کی رو سے نبی ﷺ کا عطاء کیا ہوا ہے، جیسا کہ عید و جمعہ کو دو عیدیں کہنے سے ظاہر ہے، ایسے ہی سنن کبریٰ بیهقي میں بھی ایک حدیث میں ہے:

(مَعَاشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ! هَذَا الْيَوْمُ جَعَلَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ لَكُمْ عِيْدًا فَاغْتَسِلُوْا وَعَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ) .(201)

''اے مسلمانو! اِس [جمعہ کے] دن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے یومِ عید بنایا ہے، لہٰذا تمہیں جمعہ کے دن غسل اور مسواک ضرور کرنا چاہیئے''.

اِن سب احادیث و آثار سے معلوم ہوا کہ عید و جمعہ کا اکٹھے ہو جانا باعثِ نحوست نہیں بلکہ زیادہ مسرّت کا موجِب ہے، اور اسے حکمرانوں کیلئے باعثِ زوال اور قوم و

199) بخاری ۲۴/۱۰.
200) المنتقىٰ ، الفتح الربّاني ، فقه السنّة ايضاً.
201) بحواله الفتح الربّاني ۳۲/۶.

ملک کیلئے [بھاری] قرار دینا توہّم پرستیوں اور خرافات کا نتیجہ ہے، جن میں آج امّتِ اِسلامیہ کا ایک بہت بڑا طبقہ مبتلا ہے بقولِ اقبال :

یہ اُمّت خرافات میں کھوگئی ہے .

نمازِ جمعہ کے حکم میں تغیّر ورخصت

ایک ہی دن میں اجتماعِ عید و جمعہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جس جمعہ کے دن عید ہو، اس دن کی نمازِ جمعہ کے بارے میں کیا تغیّر واقع ہوتا ہے؟ اور نمازِ جمعہ کا کیا حکم ہے؟

اس سلسلہ میں متعدد احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اگر کبھی عید اور جمعہ ایک ہی دن میں جمع ہو جائیں تو نمازِ جمعہ کی فرضیّت ساقط ہو جاتی ہے، چنانچہ سابق میں ذکر کی گئی أبو داؤد، نسائي، ابنِ ماجة، ابنِ خزيمة بيهقي، مسند أحمد اور مستدرك حاكم میں حضرت زید بن اُرقمؓ سے مروی ہے کہ اُن سے حضرت امیر معاویہؓ نے پوچھا: کیا تم نے کوئی ایسا موقع پایا ہے کہ نبی ﷺ کے عہدِ مسعود میں دو عیدیں جمع ہوگئی ہوں؟ تو انھوں نے جواب دیا: ہاں، اور مزید فرمایا :

(صَلَّى الْعِيْدَ أَوَّلَ النَّهَارِ ثُمَّ رَخَّصَ فِي الْجُمُعَةِ ...الخ) .(202)

''نبی ﷺ نے دن کے شروع میں عید کی نماز پڑھی اور جمعہ کی رخصت دے دی، اور فرمایا:

(مَنْ شَآءَ أَنْ يُّجَمِّعَ فَالْيُجَمِّعْ) ''جو جمعہ پڑھنا چاہے، وہ پڑھ لے''

اِس طرح عید گاہ میں موجود تمام صحابہ کرامؓ کے سامنے آپ ﷺ نے عام اجازت دے دی کہ جو شخص جمعہ بھی پڑھنا چاہے وہ پڑھ لے، اور اگر کوئی نہ پڑھنا چاہے تو بھی کوئی حرج نہیں، اِسی طرح ہی اُبوداؤد، ابنِ ماجۃ اور مستدرک حاکم میں حضرت ابو ہریرہؓ والی حدیث میں بھی ہے کہ آج تمہارے لئے دو عیدیں جمع ہوگئی ہیں :

---

(202) حوالہ جاتِ سابقہ و بلوغ المرام ۵۲/۲/۱ و التلخيص الحبير ۸۸/۲/۱ .

(فَمَنْ شَاءَ أَجْزَأَهُ مِنَ الْجُمُعَةِ وَ اِنَّا مُجَمِّعُوْنَ) .(203)

''تم میں سے جو شخص چاہے اُس کے لئے نمازِ عید ہی جمعہ سے کفایت کر جائے گی ،البتہ ہم جمعہ پڑھیں گے''.

اور بخاری شریف میں مذکور ہے کہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں جب عید [الاضحیٰ]اور جمعہ اکٹھے ہو گئے تو انھوں نے اپنے خطبۂ عید میں اِرشادفرمایا:''اے لوگو آج تمہاری دو عیدیں جمع ہو گئی ہیں'' :

(فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَنْتَظِرَ الْجُمُعَةَ مِنْ أَهْلِ الْعَوَالِيْ فَلْيَنْتَظِرْ وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَّرْجِعَ فَقَدْ أَذِنْتُ لَهُ) . (204)

''تم عوالی مدینہ کے لوگوں میں سے جو شخص جمعہ کا انتظار کرنا چاہے وہ کر لے ،اور جو شخص اپنے گاؤں کو لوٹ جانا چاہے،اُسے میں نے اجازت دے دی''.

ایسے ہی أبو داؤد و نسائي میں حضرت وھب بن کیسان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے عہد میں نمازِ جمعہ اور عید الفطر ایک ہی دن میں اکٹھے ہو گئے تو انھوں نے نمازِ عید کیلئے نکلنے میں اس قدر تاخیر کر دی کہ سورج کافی چڑھ آیا، پھر وہ آئے اور خطبہ اِرشاد فرمایا اور خطبہ سے فارغ ہو کر نمازِ عید پڑھائی ، آگے وہ بیان کرتے ہیں :

(وَ لَمْ يُصَلِّ لِلنَّاسِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ) ''اور اُس دن لوگوں کو نمازِ جمعہ نہیں پڑھائی''

حضرت وہب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ واقعہ حضرت عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا[جو اُس عید کے دن طائف گئے ہوئے تھے]تو انھوں نے فرمایا :

(أَصَابَ السُّنَّةَ) .(205)''انھوں نے سنّتِ رسول ﷺ کے مطابق عمل کیا''

اِن سب احادیث و آثار سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن عید آ جائے تو نمازِ جمعہ کی

---

203) حوالہ جات سابقہ. 204) بخاری ۲/۲۴۰ .

205) بحوالہ الفتح الربّانی ۳۴/۶ وشرحہ ،والمنتقیٰ أیضاً والنیل اوراسکے رواۃ کو صحیح قرار دیا گیا ہے .

فرضیّت ساقط ہوجاتی ہے، جو پڑھنا چاہے پڑھ لےاور جو نہ پڑھے، اُسے بھی گناہ نہیں ہوگا، کیونکہ اُس کی رخصت دے دی گئی ہے، علاّمہ ابنُ القیّم ،امام صنعانی ،امام شوکانی، نواب صدّیق حسن خان، شیخ البانی اور کئی دیگر اہلِ علم کا یہی مسلک ہے .(206)

اصحابِ رخصت؟

کیا یہ رخصت سب کے لئے ہے؟ اس میں ائمہ وفقہاء کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے، مثلاً چنانچہ حنابلہ کے نزدیک جمعہ کی رخصت سب کیلئے ہے سوائے امام کے، تاکہ جولوگ جمعہ پڑھنا چاہیں انھیں وہ جمعہ پڑھائے ،اور اُن کا استدلال حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے الفاظ:

(وَ اِنَّا مُجَمِّعُوْنَ) . سے ہے کہ: ''ہم تو جمعہ پڑھیں گے''.

شافعیہ کے نزدیک یہ رخصت شہر والوں کیلئے نہیں، بلکہ صرف اُن دیہات والوں کیلئے ہے [جن کے یہاں جمعہ نہ ہوتا ہو] اور ان کا استدلال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کےاُن الفاظ سے ہے کہ مدینہ طیّبہ کے نواحی گاؤں [عوالی مدینہ] کے لوگوں میں سے جو شخص نمازِ جمعہ کا انتظار کرنا چاہے کر لےاور جو لوٹ جانا چاہے وہ لوٹ جائے ، میں نے اُسے اجازت دی۔شافعیہ کا کہنا ہے کہ نواحی دیہات کے لوگوں کا شہر آکر عید پڑھنا، پھر واپس اپنے گھروں کو لوٹنا اور جمعہ کیلئے دوبارہ شہر آنا باعثِ مشقّت ہے اور مشقّت سے جمعہ کی فرضیّت ساقط ہوجاتی ہے۔اور امام نووی کے بقول حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور جمہور اہلِ علم کا قول یہی ہے۔

مالکیہ میں سے مطرّف ، ابنِ وھب اور ابنِ ماجشون نے امام مالک رحمہٗ اللہ سے نقل کیا ہے کہ جمعہ ضروری ہے اور یہی مسلک احناف کا بھی ہے، جبکہ معروف محقق ومجتہد امام شوکانی نے نیـل الأوطـار میں ،برِّصغیر کے معروف عالم اور والیٔ ریاستِ

206) سبل السلام، نیل الأوطار،زاد المعاد ۲/ ۴۴۸،
الروضة الندیّة شرح الدرر البھیّة نواب صدیق حسن خان ۱/ ۱۴۱-۱۴۲ تمام المنة للالبانی ،ص:۳۴۴ .

بھوپال علاّمہ نواب صدّیق حسن خان نے الروضة الندیّة میں اور شیخ احمد عبدالرحمٰن البنّا [والدحسن البنّا] نے بلوغ الأماني شرح الفتح الربّاني میں دلائل و براہین سے ثابت کیا ہے کہ نمازِ جمعہ کی رخصت سب کیلئے ہے، شہر کا ہو یا گاؤں کا ، عوام الناس میں سے ہو یا امام و حاکم ، شیخ البنّا نے صرف اِتنا لکھا ہے کہ شہر والوں کیلئے جمعہ واجب تو نہیں البتہ مستحب ہے ۔

صحابہ کرام میں سے حضرت علی، عبدللہ بن عبّاس ، عبداللہ بن زبیر ﷺ اور امام عطاء رحمہُ اللہ سے نمازِ جمعہ کی عام رخصت کی روایت ملتی ہے، اور حضرت عبداللہ بن زبیر ﷺ کا نمازِ جمعہ نہ پڑھانا اور صحابۂ کرام ﷺ کا اُن پر اعتراض نہ کرنا اور پھر حضرت عبد اللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہما کا (أَصَابَ السُّنَّةَ) فرمانا اور کسی صحابی کا ان پر بھی اعتراض نہ کرنا اور حضرت عثمان ﷺ کا جمعہ نہ پڑھنے کی اجازت دینا اور اُن پر بھی کسی صحابی کا اعتراض نہ کرنا عید کے دن نمازِ جمعہ کے عدمِ وجوب کی قوّی دلیل ہے۔ اور مذکورہ صحابہ کرامؓ اور امام عطاء رحمہُ اللہ کے نزدیک تو عید و جمعہ کے ایک ہی روز میں آجانے کی شکل میں نمازِ جمعہ ہی نہیں بلکہ نمازِ ظہر بھی فرض نہیں رہتی، امام شوکانی، نواب صدّیق حسن خان رحمہما اللہ اور سیّد سابق نے اس کی تائید و تفصیل ذکر کی ہے، خصوصاً ابو داؤد میں امام عطاء رحمہُ اللہ سے مروی حضرت ابنِ زبیرؓ کے فعل سے استدلال کیا ہے جو یوں منقول ہوا ہے:

(لَمْ يَزِدْ عَلَيْهِمَا حَتَّىٰ صَلَّىٰ الْعَصْرَ)

''انھوں نے [نمازِ عید کی] دو رکعتوں کے سوا کچھ نہ پڑھا، یہاں تک کہ نمازِ عصر ادا فرمائی''۔(207)

البتہ جمہور کا مسلک [نمازِ ظہر پڑھ لینا] ہی احوط ہے ۔

207) تفصیل کیلئے: نیل الأوطار ۲/۴/۲۸۲-۲۸۳، الروضة الندیّة ۱/۱۴۱-۱۴۲ شرح السنّة بغوی ۴/۲۲۲-۲۲۳-الفتح الربّانی ۶/۳۲،۳۶،فقه السنّة ۱/۳۱۶ .

مصادر ومراجع

(۱) القرآن الکریم ۔

(۲) اِرواء الغلیل ، علّامہ البانی ، المکتب الاسلامی ۔

(۳) بخاری مع الفتح ، دار الافِتاء ، الریاض ۔

(۴) بذل المجھود ، مولانا خلیل احمد سھارنپوری ۔

(۵) بلوغ المرام ، ابن حجر ، اِحیاء التراث بیروت ۔

(۶) تحفۃ الأحوذی ، مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری ۔

(۷) تلخیص الحبیر ، ابن حجر ، جامعہ سلفیہ ۔ فیصل آباد ۔

(۸) تمام المنّہ ، علّامہ البانی ، دار الرایہ ۔ الریاض ۔

(۹) جامع الأصول ، ابن الأثیر ۔ طبع اوّل قاھرہ ۔

(۱۰) جمع الفوائد مع اعذب الموارد، بیروت ۔

(۱۱) جمعہ کے دو خطبے یا تین ؟ ، حکیم شوکت علی ، حیدر آباد ۔ انڈیا ۔

(۱۲) سنن دار قطنی ، نشر السنہ ۔ ملتان ۔

(۱۳) درّ مختار ، علّامہ حصکفی ، کراچی ۔

(۱۴) الروضہ الندیہ شرح الدرر البھیہ ، نواب صدیق حسن خان ، دار المعرفہ ۔

(۱۵) ریاض الصالحین ، تحقیق الأرنائووط ، دار الکتب ۔البیروت

(۱۶) زاد المعاد ، ابن قیم ، تحقیق الأرنائووط ۔

(۱۷) سبل السلام ، علّامہ صنعانی ، طبع بیروت و مصر ۔

(۱۸) سنن ابی دائود مع العون ، طبع مدنی ۔

(۱۹) سنن ترمذی مع التحفہ، طبع مدنی ۔

(۲۰) سنن کبریٰ بیھقی ، دار الفکر ۔ بیروت ۔

(۲۱) نسائی مع التعلیقات السلفیہ ، المکتبہ السلفیہ لاھور

(۲۲) سیرت ابن ھشام ، طبع بیروت ۔

(۲۳) شرح السنہ ، بغوی ، المکتب الاِسلامی ،بیروت

(۲۴) شرح مسلم ، نووی ، دار المعرفہ ودار اِحیاء التراث

(۲۵) صحیح ابن خزیمہ ، تحقیق الأعظمی ، طبع الریاض ۔

(۲۶) صحیح ابن حبان ، الفاسی ۔ تحقیق الأرناوئوط ۔

(۲۷) صحیح بخاری ، تحقیق الدکتور البغاء ،علوم القرآن

(۲۸) صحیح الجامع الصغیر للالبانی ۔
(۲۹) صحیح سنن ابی دائود ، علّامہ البانی ، المکتب التعلیمی
(۳۰) صلوٰۃ المسلمین ، مسعود احمد ، کراچی ۔
(۳۱) عون المعبود، علّامہ شمس الحق ، طبع قدیم و مدنی ۔
(۳۲) فتح الباری، ابن حجر عسقلانی ، دار الافتاء ۔
(۳۳) الفتح الربّانی ، احمد عبد الرحمٰن البنّاء دار الشھاب ۔ قاھرہ
(۳۴) فتاویٰ علمائے حدیث ، مولانا علی محمد سعیدی
(۳۵) الفقہ الاسلامی و أدلّتہ ، الدکتور وھبہ الزحیلی ۔
(۳۶) فقہ السنہ ، سیّد سابق ، دار الکتاب العربی ۔
(۳۷) الفقہ علیٰ المذاھب الأربعہ ، للجزیری ، دار احیاء
(۳۸) مجموع فتاویٰ ابنِ تیمیہ ، طبع سعودیہ ۔
(۳۹) المجموع شرح المھذّب ، امام نووی ، مصر ۔
(۴۰) المحلّیٰ ، لابنِ حزم تحقیق احمد شاکر ۔
(۴۱) مختصر الترغیب ، ابن حجر، طبع مالیگائوں ۔ انڈیا ۔
(۴۲) المرعاۃ شرح مشکوٰۃ ، علّامہ عبید اللہ رحمانی ۔
(۴۳) مسند احمد ، مرتب،دارِ الشھاب قاھرہ ۔
(۴۴) مسند الشافعی ، بیروت ۔
(۴۵) مشکوٰۃ المصابیح ، تحقیق البانی ، المکتب الاسلامی
(۴۶) معارف الحدیث ، مولانا نعمانی ، طبع لکھنؤ ۔
(۴۷) معجم طبرانی کبیر ، تحقیق حمدی مصطفیٰ، بیروت ۔
(۴۸) المغنی ، ابنِ قدامہ تحقیق ڈاکٹر ترکی ، و محمد خلیل ھراسی ۔
(۴۹) منتقیٰ الاخبار مع النیل ، ابنِ تیمیہ ،مصر و بیروت
(۵۰) نیل الاوطار ، امام شوکانی ، طبع مصر و بیروت ۔
(۵۱) صحیح مسلم ، دار احیاء التراث ، بیروت ۔

جرائد و مجلات

(۵۲)۔۱ ماہنامہ ''صراطِ مستقیم''، برمنگھم، برطانیہ ۔
(۵۳)۔۲ ماہنامہ ''منار الاسلام''، ابوظبی ۔
(۵۴)۔۳ ہفت روزہ ''الاعتصام''، لاہور ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمان سپریم کورٹ الخبر (سعودی عرب)

کی چند علمی و تحقیقی مطبوعہ کتب

1. آئینہ نبوت (سیرت نبی ﷺ پر ایک اچھوتے انداز میں)
2. رمضان المبارک (روحانی تربیت کا مہینہ)
3. مسنون ذکر الٰہی (مفصل)
4. خنزیر کی چربی پر مشتمل اشیاء (اردو، انگلش)
5. انسانی تاریخ کی خفیہ ترین تحریک
6. قبولیت عمل کی شرائط
7. سوئے حرم
8. فقہ الصلوٰۃ (۲ جلد)
9. جہاد اسلامی کی حقیقت
10. سود و رشوت
11. مذمت زنا کاری و فحاشی
12. گلدستہ نصیحت سے پچاس پھول
13. طریق الامان عن عمل الشیطان
14. (مذمت لواطت و اغلام بازی)
15. انسداد زنا کاری کیلئے اسلام کی حفاظتی تدابیر
16. آمین (معنی و مفہوم۔ مقتدی کیلئے حکم)

رابطہ غلام مصطفیٰ فاروق مدیر
مکتبہ کتاب وسنت، ریحان چیمہ تحصیل ڈسکہ، سیالکوٹ (پاکستان)

حرفِ سپاس و تشکّر

اس کتاب کی طباعت واشاعت کے سلسلہ میں ہمارے ساتھ

جماعة مسجد الامام أبو حنيفه رحمه الله

[قاعدة الملک عبد العزيز الجوية] الظهـــران

(ظہران ایئر بیس، سعودی عرب)

نے تعاون کیا ہے

فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ خَيْراً فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَة

لہٰذا ہم اسے تجارتی وکاروباری نقطۂ نظر سے نہیں بلکہ محض دعوتی وتبلیغی انداز سے آپ کی خدمت میں پیش کررہے ہیں.

ابو عدنان محمد منیر قمر

حضرت مولانا ابو عدنان محمد منیر قمر صاحب حفظہ اللہ

کی چند علمی و تحقیقی تالیفات و تراجم

- فقہ الصلوٰۃ (جلد اول)
- طریق الامان من عمل الشیطان
- امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور ضرورت جہاد
- مسائل قربانی وعیدین
- نماز وروزہ کی نیت
- فقہ الصلوٰۃ (جلد دوم)
- مذمت فحاشی و زناکاری
- اسیران جہاد اور مسئلہ غلامی
- نماز پنجگانہ کی رکعتیں مع نماز وتر و تہجد
- رکوع سے سجدے میں جانے کی کیفیت
- سوئے حرم
- انسداد زناکاری کیلئے اسلام کی حفاظتی تدابیر
- رمضان المبارک روحانی تربیت کا مہینہ
- ننگے سر نماز
- طہارت و نماز
- ذکرِ الٰہی
- آئینۂ نبوت
- دخول جنت کے تیس اسباب
- حج مسنون
- رمضان وروزہ اور زکوٰۃ
- قبولیتِ عمل کی شرائط
- سود و رشوت
- گلدستۂ نصیحت کے پچاس پھول
- زیارت مدینہ منورہ (آداب و احکام)
- سیرۃ امام الانبیاء
- ظہورِ امام مہدی
- جہاد اسلامی (فضائل و مسائل)
- جشن میلاد مصطفیٰ ﷺ یا یوم وفات پر؟
- شراب اور دیگر منشیات
- آمین
- انسانی جان کی قدر و قیمت اور فلسفۂ جہاد
- درود شریف (فضائل و مسائل)
- رکوع میں ملنے والے کی رکعت
- انسانی تاریخ کی مختصر ترین تحریک

نشر و توزیع: مکتبہ کتاب و سنت ریحان چیمہ تحصیل ڈسکہ (سیالکوٹ)